پیغمبرِ امن

حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر حمید اللہ
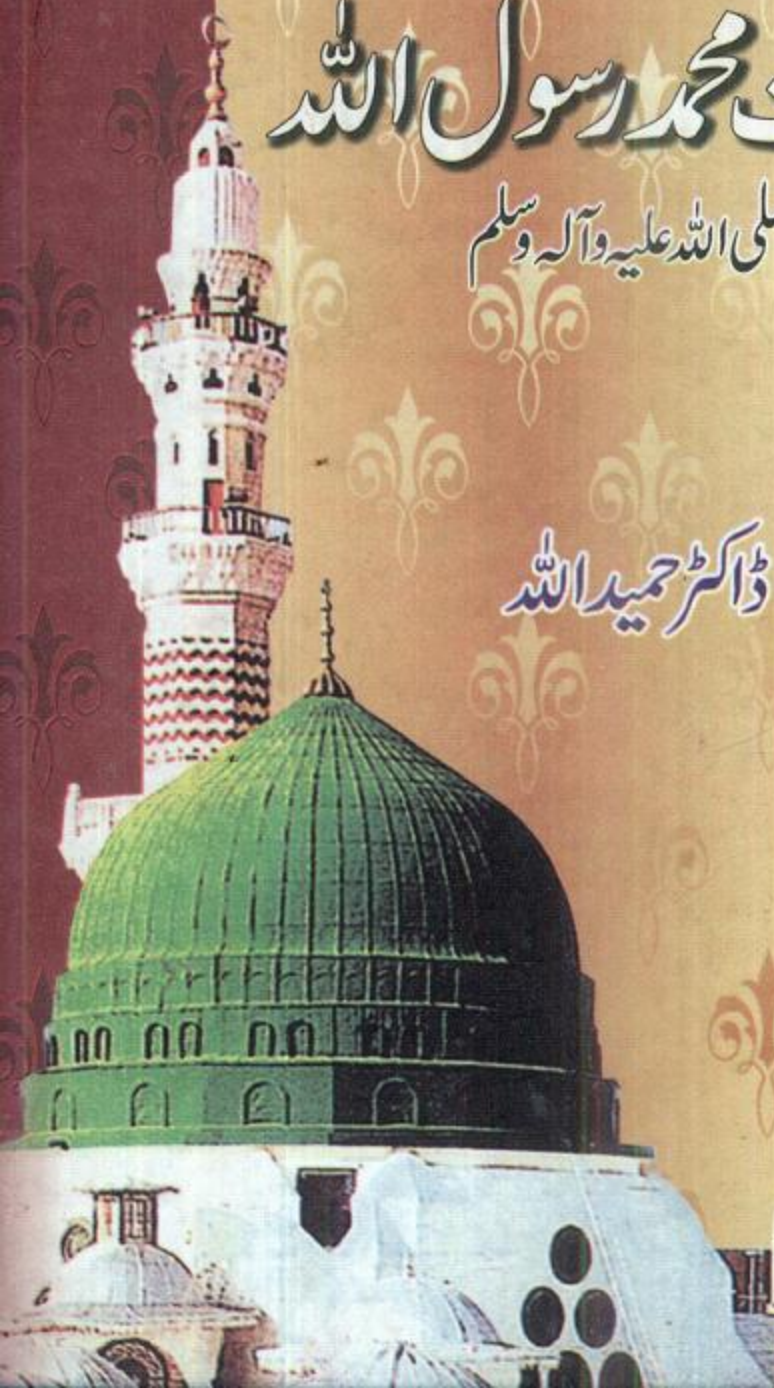
بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

ہدیہ برائے

مکتبہ رحمانیہ

/

حمید اللہ

پیغمبرِ امن

حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغمبرِ امن

حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر حمید اللہ

پنجاب یونیورسٹی ــــ شعبہ اسلامیات

ناشر

مکتبہ دانیال

جلال الدین ہسپتال بلڈنگ سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور

غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

ہیلو: 0333-4276640, 042-7660736

www.maktabahdaneyal.com

فہرست مضامین

امن کے معنی و مفہوم

لغوی معنی:

الأمن ضد الخوف[1]

أمن: أمْناً و أمَناً و امانا و أمنة اطمأن فهو امن[2]

امن جس کا مادہ "ا-م-ن" ہے۔ یہ عربی زبان سے مشتق ہے لغوی اعتبار سے اس کے بہت سے معانی ہیں۔ لفظ "امن" اطمینان کے علاوہ سلام اور سلامتی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

امن– اطمأن ولم یخف

والبلد– اطمأن فیه أهله[3]

اردو لغات میں بھی امن کا مفہوم وہی ہے جو عربی میں ہے۔

"امن کے معنی ہیں چین، اطمینان، سکون، آرام کے علاوہ صلح و آشتی اور پناہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔"[4]

امام راغب اصفہانی امن کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

> "اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف نہ رہنے کے ہیں۔ امن، امانة اور امانٌ یہ سب اصل میں مصدر ہیں اور امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے۔"[5]

انگریزی میں لفظ امن کے لئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ Peace ہے، امن (Peace)[6]

Peace کے لغوی معنی کیا ہیں؟ انگریزی لغات سے مندرجہ ذیل معنی سامنے آتے ہیں:

> **"Freedom from war and hesitilities, a state or relation of concored and amity in international law,**

that condition of a nation not at war ith another."[7]

"Freedom from or cesation of war."[8]

"Peace I— A state of tranquillity or quiet freedom from civil distrbance or war,

II-Freedom from fears, agitating passions moral ar and hostilities, a state or relation of concored and amity."[9]

مختلف ڈکشنریوں اور انسائیکلوپیڈیاز کی روشنی میں ''امن'' کا مفہوم یوں متعین کیا جا سکتا ہے:

''آسودگی قلب' داخلی اطمینان و سکون' ہیجانی کیفیات سے نجات حاصل کرنا' معاشرتی اعتبار سے باہمی تعاون و اشتراک' سازگاری کی عمومی فضاء' حقوق و فرائض کی متوازن ادائیگی اور معاشرتی حسن و خوبی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔''

یوں امن عالم (جس کا تصور اسلام نے دیا ہے) صرف جنگ و قتال کی عدم موجودگی ہی کا نام نہیں رہ جاتا بلکہ یہ انسان کی انفرادی معاشرتی' مذہبی و اخلاقی اور بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کے وسیع مفہوم کے سمیٹے ہوئے ہے اور اس مثالی کیفیت کا نام ہے جہاں زندگی کے تمام شعبے شاہراہ ترقی پر اندیشہ رہزنی کے بغیر سفر کرتے رہیں۔[10]

اس کے اس لغوی مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کا دعویٰ بے جا نہ ہو گا کہ اس مفہوم پر پورا اُترنے والا امن صرف وہی ہے جو اسلامی ضوابط اور قرآنی ہدایات اور نبوی تعلیمات سے ماخوذ ہو کیونکہ دنیا امن کے لئے پیش کئے جانے والے تمام نظریات امن کسی نہ کسی بدامنی اور فساد کے نتیجہ میں معرض ظہور میں آئے۔ کوئی نظریہ جنگ عظیم اوّل کے فسادات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا تو کسی نظریہ کے وجود کا سبب جنگ عظیم دوم کے فسادات بنے اور کوئی نظریہ جدید دور کی ایٹمی جنگوں کے بعد ظہور پذیر ہوا جبکہ اسلام نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے فساد کا سدباب کرتا ہے بلکہ فساد کے امکانات کے آگے بھی

بند باندھتا ہے۔ اسلام کا نظریۂ امن و سلامتی دائمی اصولوں کے تحت لازوال بنیادوں پر قائم و استوار ہے جس میں مملکت کی عمارت کو امن کی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر اُٹھایا گیا ہے۔

مختلف ادیان میں تصورِ امن

مختلف اقوام میں امن کا تصور بھی مختلف رہا۔ ہر مذہب کے پیروکاروں نے اپنے انداز سے امن کا تصور پیش کیا جس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

قدیم یونان (Ancient Greece):

"In Ancient Greece the word for peace "eireient" meant privirily the opposite of war, and even when personified as a goddness eireient had no mythology and little cult."[11]

گویا کہ قدیم یونان کے ہاں امن کا اصل مفہوم یہ ہوا کہ جنگ و قتال سے باز رہا جائے یعنی محدود مفہوم لیا گیا ہے۔

Jewish:

In ancient Hebrew thought, peace (shalom) was not only the absence of war but well-being if not properity. A famous passage which appears twice in Bible describes all nations going to Jerusalem to learn the divine laws, beating their swords into plowshores and their spears into pruning books, abandoning their swords, and learning war no more. "Micah" adds that every man would sit under his vine and fig tree, and ideal picture of a small land holders in a tiny state between rival superpowers.

In expectation of a better future the ideal "Savadie King" is called prince of peace, and his government is described as having boundless dominion and peace.

To the Isralities peace was social concept. It was visible and produced a harmonious relationship in the family in local society and between nations."[12]

گویا قدیم عبرانیوں کے ہاں امن کا مفہوم صرف جنگ کی عدم موجودگی ہی نہیں بلکہ خوشحالی نہیں تو کم از کم آسودگی ضرور تھا تاہم جنگ کی عدم موجودگی بھی اس میں اہمیت رکھتی ہے۔ بائبل کی عبارت کے مطابق:

"قومیں جب خدائی قانون سیکھنے کے لئے یروشلم جا رہی تھیں تو انہوں نے تلواروں سے ہل اور نیزوں سے کلہاڑیاں وغیرہ بنا لیں اور یوں آلات حرب اور جنگ کا سیکھنا اور سکھانا سب چھوڑ دیا۔"

Christianity:

"In the history of the church, peace has been on the one hand as calm for the soul and on the other hand as social and political reconciliation and the establishment of a just order. This had led to doctrines of a just war...... But more general statement speak of individual and communal well being."[13]

مقالہ نگار کے مطابق کلیسا کی تاریخ میں امن ایک طرف روحانی سکون کا نام ہے اور دوسری طرف سیاسی' معاشرتی ہم آہنگی اور قیام عدل کا نام بھی ہے اور اسی سے انصاف کی جنگ کا تصور بھی نکلا لیکن اس کا عمومی مفہوم انفرادی اور اجتماعی بھلائی کا ہے۔

Hindu Concept:

"Indian views of peace are both personal and social positive and negative. The peace invoked in the Sanskarit text in one of tranquity, quiet and calmness of mind absence of passion aversion of pain and indifference to the objects of pleasure and pain............"[14]

مقالہ نگار کے مطابق امن کے ہندی تصورات امن انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی' مثبت بھی اور منفی بھی۔ سنسکرت کی کتب سے امن کا جو تصور ملتا ہے اس میں اطمینان'

خاموشی، ذہنی سکون، جذبات کی عدم موجودگی اور تکلیف کے احساس سے بے نیازی وغیرہ شامل ہیں۔ بھگوت گیتا میں پیش کیا جانے والے تصور امن کے مطابق انجام سے بے نیاز ہو کر فرائض کی ادائیگی سے روحانی امن حاصل ہوتا ہے۔ اس کا اصطلاحی نام ''نروان'' ہے۔

Jainism:

"The Jainism in, India have been noted for their advocacy nonviolence or not killing (alninsa), and some of 2 their temples today bear the inscription."

"Nonviolence is the highest religion they teach that nirvana is an indescribable and passionless state beyond this world at the circling of universe."(15)

ان کے بقول نروان ایک ناقابل بیان جذبات سے ماوراء کیفیت کا نام ہے۔

Buddhist Concept:

"The Buddhists, cotemporary with the Jains have also taught nirvana and have done so in negative terms. A Buddhist compendium of teaching. There "is nirvana" it is loftyly and exalted, inaccessible to the passions and unshakeable, bringing toy an dshedding leight."(16)

''نروان کا تصور یہ ہے کہ اس تصور سے خوشیاں اور روشنیاں بکھر جاتی ہیں۔

انہوں نے حصول نجات کے لئے (نروان) کے لئے درمیانی راستہ اختیار کیا جس کے ذریعے راہی دونوں انتہاؤں سے بچتا ہے۔ تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک گناہ سے بچو ہر ایک خوبی (امن وسلامتی) کو حاصل کرلو، قلب ونظر کا تزکیہ کرلو...........''(17)

اسلام کا تصور امن ''انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن'' کے مطابق دیگر تمام مذاہب سے مختلف ہے بلکہ جامع ومفصل ہے، ملاحظہ ہو۔(18)

ان تصورات امن کے اعتبار سے سامی اور غیر سامی ادیان نمایاں طور پر ایک

دوسرے سے مختلف ہیں۔ غیر سامی ادیان میں امن کا تصور محدود اور صرف انسان کی ذات اور اس کے داخلی امن وسکون اور عقیدے جس کو انہوں نے دکھوں اور تکلیفوں سے نجات سمجھا' اسی مفہوم تک محدود ہے۔ اس کے برعکس سامی ادیان میں امن کا مفہوم زیادہ وسیع و جامع نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں امن کے داخلی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے سماجی اور سیاسی تصورات بھی بہت نمایاں ہیں۔

ان سامی ادیان میں بھی اسلام کا تصور امن وسلامتی بہت زیادہ ممتاز ہے۔ اس میں جتنا توازن اور ہم آہنگی ہے اور جس طرح یہ زندگی کے ہر شعبے کو امن وسلامتی سے معمور کرتا ہے اس کی مثال باقی دونوں سامی ادیان (یہود و نصاریٰ) میں بھی نہیں ملتی۔ اسلام کا تصور امن وسلامتی کے متعلق آگے تفصیلات آرہی ہیں۔

بعثت سے قبل دنیا کے حالات

امن وسلامتی کے پیغام کو عام کرنا نبی پاک حضرت محمد ﷺ کے بنیادی مشن میں شامل تھا۔ آپ ﷺ نے اس پیغام کو عام کر دیا کہ "اسلم تسلم" [19] یعنی اسلام قبول کرلو امن وسلامتی کی زندگی بسر کرو گے۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت عالم کا یہ حال تھا کہ:

ظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت ايدى الناس ليذيقهم بعض الذی عملوا لعلهم يرجعون. (الروم 41:30)

یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کہ کفر وظلمت دنیا میں پھیل گیا اور اس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی نہ خشکی میں امن وسکون رہا نہ تری میں' روئے زمین کو فتنہ وفساد نے گھیر لیا۔ بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لوٹ مار سے سمندروں میں بھی طوفان بپا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں چکھا دیا جائے پوری سزا آخرت میں ملے گی مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلائیں ممکن ہے کہ بعض لوگ ڈر کر راہ راست پر آجائیں۔ بندوں کی بدکاریاں خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا لیکن جس خوفناک عموم وشمول کے ساتھ بعثت نبوی سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق ومغرب میں بروبحر پر چھا گئی تھی' دنیا کی

تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اس زمانے کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخ بھی اس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے۔[20]

چھٹی صدی عیسوی کی معلوم دنیا کے بارے میں جو قرآن نے حکم لگایا تاریخ اس کی مصدق ہے مثلاً ایران میں مانی نے عیسائیت اور مجوسیت کے امتزاج سے ایک ایسے فلسفہ زندگی کو رواج دینے کی کوشش کی جس میں امتناع نسل اور تہذیب گریز رویہ اختیار کرنے کو ترجیح دی گئی تھی اور مزدک نے عورت کے لئے ماں' بیٹی اور بیوی کے رشتوں کا امتیاز ختم کر کے معاشرتی انارکی کو رواج دیا تھا۔ ایران اور روم کے سیاسی جھگڑوں کی زد میں عراق' ایران' مصر اور شام کے بے گناہ عوام حرف غلط کی طرح مٹائے جا رہے تھے۔ مشرقی روم ایرانی حملوں کی پے در پے یلغار سے تہس نہس ہوتا رہا اور مغربی روم پہ جرمن وحشی ٹوٹتے رہے۔ مذہبی ابتری اس پر مستزاد بھی۔[21]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کو الوہیت میں ڈھالا جا چکا تھا۔ عیسائیوں کے مختلف فرقے آپس میں دست و گریباں تھے' مذہبی رہنمائی بدکار پادریوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی جس سے بے چارے عوام کا ذہنی اور باطنی سکون بھی درہم برہم ہو چکا تھا۔ یہ جملہ جارج سیل کا ہے کہ ''اس زمانے میں گرجا کے پادریوں نے مذہب کو پارہ پارہ کر رکھا تھا اور امن' محبت اور نیکی مفقود ہو چکے تھے۔ انصاف اعلانیہ فروخت کیا جاتا اور ہر طرح کی بدعنوانی ہوتی تھی۔''[22]

بالائے عرب' ایران اور رومی علاقوں میں اس ناگفتہ بہ بے سکونی کے علاوہ ہمسایہ ملک مصر بیک وقت ایرانیوں اور یونانیوں کی دست بُرد کا شکار تھا اور مصری عوام حملہ آور اقوام کے ہاتھوں چوپایوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ بت پرستی کی کثرت نے شرف انسانی کو مجروح کر رکھا تھا۔[23]

دور پرے برصغیر میں اس زمانے کی تاریخ ایک نازک دور سے گزر رہی تھی۔ ار.سی. وت نے اپنی مشہور کتاب ''ہندوستان قدیم'' میں تسلیم کیا ہے کہ اس عہد میں تین کروڑ دیوتا پوجے جا رہے تھے اور بداخلاق پروہتوں کے ہاتھوں عوام کا ذہنی سکون برباد ہو چکا

تھا۔ چھوت چھات اپنے عروج پر تھی' شاہراہوں پر آوارہ گرد اور جرائم پیشہ گروہ موجود رہتے تھے۔ جنسی بدامنی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ ایک عورت بیک وقت کئی مردوں کی بیوی شمار ہوتی تھی۔[24]

چین میں ہن خاندان کے خاتمے کے بعد بیک وقت تین خاندانوں میں خانہ جنگی برپا تھی' بیچ میں سوئی خاندان نے چین کو کسی قدر سنبھالا بھی دیا اور امن قائم کرنے کی کوشش بھی کی مگر پھر ٹائی منگ خاندان کے ہاتھوں صورت حال ابتر ہو گئی۔ ساتھ ساتھ کنفیوشس کی تعلیمات میں بگاڑ نے رسمیات کو اتنا پھیلایا کہ معاشرہ ذہنی عذاب میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔

خود جزیرہ نما عرب جہاں نبی پاک ﷺ کے اجداد مکہ کی آبادی میں دو ہزار سالوں سے زیادہ عرصہ سے نسلاً بعد نسل سرداری کر رہے تھے اور آس پاس کی عرب آبادیوں اور شام اور عراق سے یمن تک کہیں کہیں موجود تھیں' ہر جگہ انسان ذات کے اندر اور ذات کے باہر کے سکون کھو چکا تھا۔ سود' جوئے اور شراب کی غارت گری نے پوری عرب آبادی کو گھن کی طرح چاٹ لیا تھا۔ چوری چکاری اور جنگ و جدل کے بازار ہر طرف ہر وقت گرم رہتے تھے۔ پورے خطے کے سیاسی' معاشرتی اور معاشی حالات دگرگوں تھے۔ قبائل کی نہ ختم ہونے والی جنگوں نے پورے عرب میں امن و سکون تباہ کر رکھا تھا۔[25]

اس منظرکشی کو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے یوں پیش کیا:

> "ایها الملک کنا قوما اهل الجاهلیة نعبد الاصنام' وناکل المیتة' وناتی الفواحش' و نقطع الارحام' نسئ الجوار و نأکل القوی منا الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث الله الینا رسولا منا نعرف نسبه و صدقه و امانته و عفافه فدعانا الی الله لنوحده و نعبده ونخلع ما کنا نعبد نحن و آباء نا من دونه من الحجارة والأوثان' وأمرنا بصدق الحدیث' وأداء الامانة' وصلة

الرحم' وحسن الجوار' والكف عن المحارم والدماء' ونهانا عن الفواحش و قول الزور' واكل مال اليتيم' وقذف المحصنات وامرنا ان نعبد الله وحدهٗ ولا نشرک به شيئاً' وامرنا بالصلوة والزكوة والصيام فعدد عليه امور الاسلام فصدقناه و آمنا به۔"(26)

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بت پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' بدکاریاں کرتے تھے' ہمسایوں کو ستاتے تھے' بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا' قوی کمزوروں کو کھا جایا کرتے تھے اسی اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت' سچائی اور دیانت سے ہم لوگ پہلے سے آگاہ تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں' سچ بولیں' خون ریزی سے باز آ جائیں' یتیموں کا مال نہ کھائیں' ہمسایوں کو آرام دیں' پاک دامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں اور صدقہ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے' شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام بُرے اعمال سے باز آئے۔"

عربوں میں تو کوئی الہامی ہدایت پہلے سے موجود نہ تھی مگر حیرت اس بات پر ہے کہ موجود مذہبی کتب کی تعلیمات بھی قیام امن کی بجائے غارت گری اور فتنہ و فساد پر اُکسانے کی تعلیم دیتی تھیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب "سام وید" میں درج اس ہدایت پر پورا پورا عمل کیا جاتا رہا کہ:

"اے ویدک دھرمی راجاؤ اور دوسر ویدک دھرمیو! تم شیر جیسے بن کر رعیتوں کو کھاؤ اور چیتے جیسے بن کر اپنے دشمنوں کو باندھ کر جکڑ لو پھر اس کے بعد اپنی مخالفت کرنے والوں کے سامنے سے ان کے کھانے تک کو اُٹھا لو۔"(27)

یہودیوں کی مقدس کتاب تورات کے باب استثناء میں زیرنگیں آ جانے والی قوموں کے بارے میں لکھا ہے:

''جب خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو' محروم کیجیو اور نہ ان سے کوئی عہد کیجیو اور نہ ان پر رحم کیجیو۔''

انجیل میں لکھا ہے:

''اگر کوئی تیرے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو تو اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دے۔''

اسی میں متی کی انجیل میں یہ بھی درج ہے:

''یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں' صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔''

یہ بھی متی انجیل میں لکھا ہے:

''جس کے پاس تلوار نہیں اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے۔''(28)

اگر ہم پیغمبر امن ﷺ کی سیرت طیبہ پر بغور نظر ڈالیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یوں تو نبی مکرم ﷺ کی سیرت مبارک کے بہت سے گوشے ہیں مگر آپ ﷺ کی زندگی کا اہم گوشہ ''بحیثیت داعی امن و اخوت'' ہے کیونکہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو محبت و اخوت کی لڑی میں پرو دیا جو معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار تھا اس میں توحید الہی کے رشتے میں لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک کر دیا کہ جس کی مثال مواخاۃ (بھائی چارے) کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

"فكان من الانصار الايثار و من المهاجر التعفف و عزة النفس."(29)

سرور عالم ﷺ نے عقیدے اور نظریئے اور مقصد کی صحیح معنوں میں ایک نئی برادری پیدا کر دکھائی اور ایک ایک انصاری کے ساتھ ایک ایک مہاجر کا برادرانہ رشتہ قائم کر دیا۔ انصار کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال' مساکن' باغات اور کھیت آدھ آدھ بانٹ کر رفقاء مقصد کو دے رہے تھے بلکہ بعض تو یہاں تک تیار ہو گئے کہ دو دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے دینی بھائیوں کے نکاح میں دے دیں۔ دوسری طرف مہاجرین کی خودداری کا نقشہ یہ تھا کہ وہ کہتے تھے:

دلوني على السوق.

"ہمیں کھیت یا بازار کا راستہ دکھا دو' ہم مزدوری یا تجارت کر کے پیٹ پالیں گے۔"(30)

سیرت پاک ﷺ قبل بعثت

اگر پیغمبر امن ﷺ کی شخصیت کا تجزیہ قبل بعثت کیا جائے تو اس حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ بعثت سے قبل بھی عرب کے جاہلانہ معاشرہ میں امن و اخوت کے داعی تھے۔ اس کی واضح مثال قریش میں آپ ﷺ کے حکم (ثالث) مقرر ہونے سے دی جا سکتی ہے جب خانہ کعبہ میں ازسرنو تنصیب حجر اسود کے معاملے میں عربوں میں شدید اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ نے حسن تدبیر اور ذہنی بصیرت کی بناء پر چادر میں حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے رکھ کر ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ چادر کے کونے کو پکڑ لو چنانچہ تمام سرداران قریش نے مل کر اس چادر کے کنارے چاروں طرف سے پکڑ کر پتھر کو اُٹھایا' جب پتھر اس مقام پر پہنچا جہاں اس کو نصب کرنا تھا تو آپ ﷺ نے چادر سے اُٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا تاکہ کسی کو کوئی شکایت نہ رہے۔(31)

قبل از بعثت آپ ﷺ ہی کی کوششوں سے تاریک معاشرے میں امن و امان کا دور دورہ ہوا۔ آپ ﷺ ہی کی کوششوں سے اکثر قبیلوں کے سردار ایک انجمن بنانے پر رضامند ہوئے جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ کمزور کو ظالم کی دسترس سے محفوظ رکھا جائے۔ اس پُرامن معاشرتی انجمن میں بنوہاشم' بنوعبدالمطلب' بنواسد' بنوزہرہ اور بنوتمیم شامل تھے۔ اس معاہدہ کی اہم شقیں یہ تھیں کہ ملک سے بدامنی دور کریں گے' مسافروں کی حفاظت کریں گے' غریبوں کی امداد کیا کریں گے' زبردستوں کو ظلم کرنے سے روکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ اس معاہدے "حلف الفضول" میں شریک تھے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا تھا کہ زمانہ اسلام میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے:

"اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی میں نہ لیتا اور آج اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں شرکت کے لئے تیار ہوں۔"(32)

آج کے جدید دور میں اگر اس انجمن کے حوالے سے گفتگو کی جائے اور آپ ﷺ کے کردار کو بحیثیت داعی امن و اخوت دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جدید ریاستوں کے قائم کردہ ماضی کی ''انجمن اقوام'' (League of Nations)' یا حال کی قائم کردہ ''اقوام متحدہ'' (United Nations) کے منشور کی اکثر دفعات رسول اللہ ف کی قائم کردہ انجمن سے مستعار لی گئی ہیں۔ باب اوّل میں اقوام متحدہ کا مقصد بین الاقوامی امن اور تحفظ فراہم کرنا ہے اور اجتماعی طور پر اس بات کی کوشش کرنا ہے کہ ہر اس عمل کو دور کیا جائے جس سے ''امن'' (Peace) کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ اقوام عالم کے درمیان دوستانہ ماحول پیدا کرنا تا کہ لوگ مساوی طور پر حقوق حاصل کر کے بین الاقوامی امن حاصل کر سکیں۔

رسول رحمت و امن ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے آفاقی احکام کے ذریعے عامۃ الناس کی رہنمائی کی اور جنگ و جدل کی کیفیت سے لوگوں کو نکال کر امن و سلامتی کی دعوت دی کیونکہ قرآن کریم آپ ﷺ کی خصوصیت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین. (الانبیاء 107:21)

''اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو تمام جہان کے لئے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔''

قیام امن و صلح آشتی کے لئے رہنمائے قوم پر انتہائی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس لئے بین الاقوامی تعلقات میں امن کا انحصار قومی رہنماؤں پر ہوتا ہے۔ آج کے دور میں گروہی سیاست اور علاقائی سیاست نے ممالک کو مختلف نظریات کے تحت تقسیم کر دیا ہے اور انہی نظریات کی بناء پر لوگوں میں اتحاد یا انتشار کی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ اگر چودہ سو سال قبل قائم کردہ پہلی اسلامی ریاست کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دینی' سیاسی بصیرت کی بناء پر ایک آفاقی سیاست نہ صرف قائم کی بلکہ اس میں رہنے والے افراد کو امن و آشتی کی وہ دعوت دی کہ مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر ''مواخاۃ'' کا ایک نیا درس دیا جس کی تفصیلات گزشتہ صفحات کے اندر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا. (آل عمران 103:3)

''تم سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑ کے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔''

یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رکھو جو اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے اور اگر سب مل کر اس کو پوری قوت کے ساتھ پکڑے رہو گے تو کوئی شیطان شرانگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔ قرآن مجید سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔[33]

''وما ارسلنک الا رحمۃً للعالمین'' کی تفسیر صاحب تیسیر القرآن یوں کرتے ہیں:

> ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل پوری نوع انسانی کے لئے رحمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے غفلت میں پڑی ہوئی اور راہ سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو ایسا علم نصیب ہوا جو حق و باطل کی راہوں کو ممیز کر کے سیدھی راہ دکھاتا اور اس پر چلاتا ہے جس سے انسان نے دنیا کی زندگی اچھے طور پر گزارنے کا اصول اور ڈھنگ سیکھا۔ پھر اس راہ پر چلنے سے انسان کی انفرادی زندگی بھی سنور جاتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (الانفال 33:8) یعنی ''جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کے درمیان موجود ہیں اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا'' علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہی کی وجہ سے خسف اور مسخ اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے عذاب موقوف ہوئے اور مسلمانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی داستان اتنی طویل ہے جس کا حصر یہاں ممکن نہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے حق میں رؤوف بھی ہیں اور رحیم بھی۔''

کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ

اس شخص نے ہماری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور باپ نے بیٹے اور بھائی سے بھائی کو غرض سب قریبی رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کے اسی قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"نادانو! جس ہستی کو تم مصیبت سمجھ رہے ہو' مسلمان تو درکنار وہ تمہارے لئے بھی اللہ کی رحمت ہے' امن وسکون کا باعث ہے۔ ان کی تعلیمات سے سارا معاشرہ مستفید ہو رہا ہے۔"(33a)

نبی پاک ﷺ عموماً صلح و امن جوئی کی ترغیب دلاتے ہیں اور لڑائی کی صورت میں بھی امن عامہ کی تباہی کے رویئے کی نفی کرتے ہیں۔ دنیا میں انسانی آزادی کی حفاظت کے لئے نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی روشنی میں مظلوموں اور ایسی قوموں کو جن کے خلاف دشمن پہلے اعلان جنگ کر دیتا ہے' جنگ کی اجازت دی ہے مگر ہی قیام امن کی دفاعی کوشش ہے' جارحیت ہرگز نہیں۔ یہاں اگر دشمن ہتھیار ڈال دیتا ہے یا صلح کی درخواست کرتا ہے تو فوراً محض قیام امن کی خاطر جنگ سے ہاتھ روک لینے کا حکم دیتے ہیں اور تنبیہ ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی زیادتی نہ کی جائے۔ احادیث نبویہ میں بے شمار ایسی ہدایات موجود ہیں جن کا بظاہر حالت جنگ ۔ ، تعلق ہے مگر جن سے مقصود محض معاشرتی امن و عافیت ہے مثلاً

★ دشمن کا مثلہ نہ کیا جائے یعنی مقتولوں کے اعضاء الگ الگ کر کے لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے۔(34)

★ بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے گریز کیا جائے۔(35)

★ بوڑھے' بچے اور عورتوں کو نہ مارا جائے' ہمیشہ صلح و احسان کو مدنظر رکھا جائے۔(36)

★ ایسی جگہ پر پڑاؤ نہ ڈالا جائے جہاں مقامی آبادی کو تکلیف پہنچتی ہو اور کوچ کے وقت مقامی آبادی کو تکلیف نہ ہونی چاہیۓ۔

★ جنگی قیدیوں کو ان کے رشتہ داروں سے تعلق (واسطہ) رکھنے کی اجازت باقی رہنی چاہیے(37) اور ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔

★ دشمنوں کو آگ سے جلانا بھی منع ہے۔(38)

★ دشمنوں سے لڑنے کی خواہش نہ کی جائے بلکہ اللہ تعالیٰ سے امن وسلامتی مانگے۔

لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا اللہ العافیة.(39)

اسلام تمام انسانوں کیلئے دین امن وسلامتی ہے

امن وامان صرف ایسے ہی معاشرے کو نصیب ہو سکتا ہے چنانچہ اوّل تو اس دین کا مزاج اس کے نام سے واضح ہو جاتا ہے جو ہرچند کہ اساسی طور پر وہی ہے جو سابقہ انبیاء علیہم السلام دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے مگر جو صرف یہودیت' عیسائیت جیسے ناموں سے پہچانے گئے جبکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو اپنی مکمل ترین شکل میں محمدیت کے نام سے پیش نہیں کیا بلکہ صرف اسلام کے نام سے دنیا کے سامنے رکھا اور اسلام کا لفظ "سلم" سے ماخوذ ہے جس کے ایک معنی امام راغبؒ نے اپنی "مفردات" میں امن و عافیت کے بھی بتائے ہیں۔(40)

جبکہ ایمان اس دین میں شمولیت کی پہلی شرط ہے اور یہ لفظ بھی "امن" کے مادہ سے مشتق ہے اور سلامتی و پناہ کے معنی اس میں شامل ہیں اسمائے حسنیٰ میں ایک نام "السلام" کے معنی بھی امن اور سلامتی عطا کرنے والے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام "المؤمن" بھی ہے جس کے معنی بھی امن عطا کرنے والے کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ادخلوا فی السلم کافة. (البقرۃ 208:2)

سبل السلام اور دارالسلام کی جملہ تراکیب اپنے سیاق وسباق کے حوالے سے جس بات کے اظہار کے لئے استعمال کی گئیں' وہ یہی ہے کہ سب کے سب امن وسلامتی والی زندگی کے دائرے میں آ جائیں اور چاہیئے کہ انسان سلامتی اور امن کے گھر تک پہنچنے کے لئے امن کے راستے تلاش کرے۔ قرآن مجید کی لغت کے یہ جملہ الفاظ اور تراکیب اس پیغام کی ایک خاص روح کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر امن و عافیت اس دنیا میں لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اجتماعی لہجے میں دنیا بھر کے لوگوں کو "ایھا الناس" (اے لوگو!) سے خطاب کیا' قرآن مجید اس کا گواہ ہے تاریخ انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پیغمبر ہیں جن کا تخاطب کسی ایک قوم' قبیلے' نسل' گروہ یا لسانی اور جغرافیائی

وحدت سے نہیں ہے بلکہ پوری نوع انسانی سے ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں کو آپ ﷺ نے ایک پُرامن بنیاد پر جمع کرنے کے لئے انہیں ایک آدم کی اولاد قرار دیا تا کہ رنگ و نسل اور زبان و خطے سے تعلق کے باعث جو اختلافات اُبھر کر دنیا بھر کے امن کو تباہ کر سکتے' ان کی جڑیں کٹ جائیں اور ان امتیازات کی بنیادوں پر جو فسادات اُبھرتے ہیں' انہیں وحدت انسانی کے رشتے کا اساس ختم کر سکے۔ یہ خطاب پوری نسل انسانی کی بحیثیت پیامبر امن و عافیت آپ ﷺ ہی کا تھا۔

یآیھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدة وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونسآء. (النساء 1:4)

اور یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ سارے انسانوں کا خالق ایک ہے اور وہ سب ایک ہی انسان کی اولاد ہیں اگر وہ حیاتیاتی اعتبار سے ایک ہی نوع سے متعلق ہیں تو پھر باہمی انتشار اور فساد کیوں برپا ہو؟ یہ درست ہے کہ آبادیوں اور نسلوں کے پھیلاؤ میں نسلی حقوق کے احساسات بھی اُبھرتے ہیں اور باہمی نزاع کا باعث بن جاتے ہیں مگر قرآن مجید ان نسلی اور قومی گروہوں کے وجود کو بھی کسی باہمی فوقیت کی بنیاد نہیں بناتا بلکہ اس کا مؤقف یہ ہے کہ اونچ نیچ کا کوئی باہمی تصور ان سے قائم نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ صرف باہمی شناخت اور پہچان کی ایک صورت ہے چنانچہ اسے اپنی حد کے اندر رہنا چاہئے اس سے ذات پات کا وہ تصور بہرحال نہیں اُبھرنا چاہئے جو بالآخر معاشی امن کو تہ و بالا کر دینے کا باعث بنتا ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ:

وجعلناکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم.

(الحجرات 13:49)

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فجمیع الناس فی الشرف بالنسبة الی آدم و حواء علیھما السلام سواء وانما یتفاضلون بالأمور الدینیة وھی طاعة اللہ تعالی و متابعة رسولہ ﷺ"(41)

انسانی معاشرے میں بالعموم فساد خلق کی ایک صورت اس وقت بھی پیدا ہو جایا

کرتی ہے جب انسان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر اُتر آئے۔ قرآن نے اس رویئے کو بھی ایک مثبت شکل دے دی ہے اور بُرائی کا جواب بُرائی کی بجائے نیکی اور حسن سلوک سے دینے کی تعلیم دی ہے جو ہر چند کہ ایک مشکل کام ہے مگر اسلام جو انسان دنیا میں کھڑے کرنا چاہتا ہے' ان سے مشکل ترین کام کی نہ صرف توقع کرتا ہے بلکہ انہیں اس کی تربیت بھی دیتا ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ط ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینهٗ عداوةٌ کانهٗ ولی حمیمo وما یلقٰھآ الا الذین صبروا ج وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم. (حٰم السجدة 41:34-35)

معلوم ہوا کہ نیکی اور بدی کبھی ہم پلہ نہیں ہو سکتیں' برائی کا جواب حسن سلوک سے دینا چاہئے۔ اگر لوگ یہ وطیرہ اپنا لیں تو انسانوں کے تجربے میں یہ بات آئے گی کہ تمہارا دشمن بھی دلی دوست بن جائے گا۔ یہ درست ہے کہ انسانیت کے اس بہت اعلیٰ مقام پر وہی پہنچ سکتا ہے جسے اپنے وجود پر قابو اور گرفت ہو اور جس کے مقدر میں خیر اور سعادت کا بڑا حصہ بھی ہو۔

نسلی گروہ بندی کا سلسلہ بھی اسلام نے بند کر دیا' نبی کریم ﷺ نے عربی و عجمی کا فرق ختم کر دیا اور فرمایا:

"لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنی قومیتوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں' یہی عصبیت ہے اور عصبیت ہی وہ زہر ہے جو قوموں کو جنگ اور بدامنی پر اُکساتی ہے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا: "اس سے ہمارا کیا واسطہ جو عصبیت پر اصرار کرے۔"[42]

مذہبی غلو اور شدت پسندی بھی ایک ایسا رویہ ہے جو بلاشبہ معاشرتی امن کا دشمن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سابقہ ادیان' ان کے نبیوں پر ایمان اور مساوی احترام کا حکم دیا تاکہ دیگر ادیان کے ساتھ احترام کی صورت پیدا ہو اور مذہبی منافرت کو ہوا نہ ملے۔ قرآن کریم نے یہاں تک مذہبی بنیادوں پر قیام امن کے رویئے کو عام کر دیا:

لا اکراہ فی الدین. (البقرة 2:256)

"دین میں جبر نہیں۔"

یعنی دینی معاملات میں اپنوں' بیگانوں کے ساتھ جبر اور اکراہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سیرت نبوی میں کم از کم دو ایسی مثالیں واضح طور پر موجود ہیں جب تبدیلی مذہب کے سلسلے میں ایک ذرا سی دخل اندازی کا سوال اُٹھا تو آپ ﷺ نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے دوسروں کو جبراً اسلام کی طرف لوٹانے سے روک دیا۔ ایک موقعہ پر جب ابوالحسین انصاری کے دو جوان بیٹوں نے بعض عیسائی عرب تاجروں کے خیالات سے متاثر ہو کر عیسائیت قبول کی اور ان کے ساتھ شام چلے گئے' باپ نے حضور ﷺ سے انہیں واپس بلانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی آمد سے قبل یثربی عربوں میں رواج تھا کہ کسی عورت کے بچے پیدائش کے بعد زندہ نہ رہتے تو وہ نذر مانتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی چنانچہ ایسے کئی نوجوان مدینہ میں موجود تھے جو عرب یہودی تھے اور بنونضیر کے ساتھ شامل تھے۔ جب بنونضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو انصاری والدین نے اپنے بچوں کو ان کے ساتھ جانے سے روکنا چاہا' یہ آیت اسی مناسبت سے اُتری اور معاشرتی امن و عافیت کی خاطر کسی بھی قسم کی مذہبی جبر سے مسلمانوں کو روک دیا گیا۔ (43)

ان اسباب کے علاوہ ویسے ہی آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لئے جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لئے جہاد ایک الگ اور جبر و اکراہ سے مختلف چیز ہے۔ مقصد جہاد معاشرے سے اُس وقت کا زور اور دباؤ ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں روڑہ بنی ہوئی ہے تاکہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام میں داخل ہو جائے۔ غیر مذاہب کے ساتھ ایک پُرامن رابطہ اور رشتہ قائم رکھنے کے لئے قرآن نے ان مذاہب کے ماننے والوں کو یوں دعوت امن و آشتی دی ہے:

یٰاھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ۔

(آل عمران 64:3)

دعوت امن ہے صحیح بخاری میں ہے کہ اس حکم کے مطابق نبی پاک ﷺ نے ہرقل شاہ روم کو مکتوب تحریر فرمایا اور اس میں اس آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو تجھے دُہرا اجر ملے گا ورنہ ساری رعایا کا گناہ تجھ پر ہو گا۔[44]

اس آیت میں مذکور تین نکات یعنی صرف اللہ کی عبادت کرنا' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دینا۔ یہ کلمة سواء بیننا و بینکم یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان مشترکہ نکات یہی ہیں یعنی قیام امن کے لئے بہترین نسخہ ہے۔

لہٰذا اس اُمت مسلمہ کے شیرازہ کو جمع کرنے اور امن و امان قائم کرنے کے لئے بھی ان تینوں نکات کلمة سواء کو بدرجہ اولیٰ اساس اور بنیاد بنانا چاہیئے۔[45]

قیام امن کیلئے رواداری اور عدل و انصاف:

فرمان الٰہی ہے:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ. (الانعام 108:6)

''تم دوسروں کے دیوی دیوتاؤں اور اکابرین مذہب کو بُرا مت کہو مبادا وہ تمہارے ربّ کو بُرا بھلا کہیں۔''

مذہبیت کے جنون میں یہی وہ نازک مراحل ہوتے ہیں جہاں باہمی جھگڑے اور فساد کھڑے کیے جا سکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا رویہ قرآنی تعلیمات کے حوالے سے ایسے تمام امکانات کو ختم کرتا ہے بلکہ ''لا نفرق بین احد من رسلہ'' کا اعلان کرتا ہے۔ اللہ کا یہ بھی فرمان ہے:

أفانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین. (یونس: 99:10)

کسی شخص یا گروہ کو جبر و اکراہ کے ساتھ دائرہ اسلام میں لانے کی تعلیم ہرگز نبی پاک ﷺ نے نہیں دی کیونکہ جبر و اکراہ یہی وہ صورتیں ہیں جو معاشرتی ہیئت کے امن و سکون کو تلپٹ کر کے رکھ دیتی ہیں۔

امن و عافیت کے رشتے ہمیشہ عادلانہ رویوں سے قائم ہوتے ہیں اور عدل ایک

ایسی چیز ہے کہ جس میں اپنے اور بیگانے کی تمیز اُٹھ جانی چاہیے۔ جانبدارانہ رویہ عدل کی بجائے ظلم کو راہ دیتا ہے اسی باب میں پھیلی ہوئی بدگمانیاں معاشرتی فساد کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی جڑ بھی یہ کہتے ہوئے کاٹ دی:

ولا یجر منکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ.

"کسی قوم کی دشمنی مسلمانوں کو اس قوم سے بے انصافی پر آمادہ نہ کرے، دامن عدل کبھی بھی نہ چھوڑ کیونکہ خدا خوفی کے رویئے سے یہی زیادہ قریب ہے۔"

معاشرتی زندگی میں ایسے مواقع بھی آ جاتے ہیں کہ وہ دوسروں پر انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں زیادتی ہو جائے یا کوئی دوسرا زیادتی پر اُتر آئے، معافی وہ پہلا اصول ہے جس کا کھلے دل سے اظہار قرآن اور رسول امن علیہ وسلم تجویز کرتے ہیں لیکن بعض صورتوں میں جب زیادتی کا جواب دینا ہی لازم ٹھہرے تو قرآن مجید نے اس میں بھی حد اعتدال سے بڑھنے کو ہرگز درست قرار نہیں دیا جیسے ارشاد ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم (البقرۃ 2:194)

"کوئی تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس کے جواب میں اسی کے برابر زیادتی کر سکتے ہو۔"

ظاہر ہے کہ یہ عوض معاوضہ (بدلہ) برابر کی حد تک ہے اور اسی میں عافیت کے سامان ہیں جیسے کہ قتل کے بدلے میں قاتل کی موت یا قصاص میں معاشرتی عافیت کے سامان ہیں اگرچہ قرآن مجید یہاں بھی معافی کے رویئے کو ترجیح دیتا ہے:

ولمن صبر و غفر ان ذلک لمن عزم الامور. (الشوریٰ 42:43)

اس کے اندر صبر اور معافی کی روش اختیار کرنا ایک بے حد مشکل کام ہے اور بجائے خود ایک کٹھن مہم ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاشرتی امن کے قیام کی خاطر انسان کے لئے لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اس معافی کا صلہ بے انداز ہے جو محض اس لئے دی جائے کہ بربادی کا سلسلہ کسی طور پر دیر تک اور دور تک نہ پھیل جائے۔

فمن عفا واصلح فاجرہٗ علی اللہ. (الشوریٰ 42:40)

صلح جوئی اور معاف کر دینے کی روش اختیار کرنے والے کا صلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

قرآن اُمت مسلمہ کے سیاسی دائرے میں بھی ایک قوم کی دوسری پر زیادتی کو برداشت نہیں کرتا چنانچہ اس نے صرف قیام امن کی خاطر مسلمان معاشرے کے مسلمان زیادتی کرنے والے گروہ یا قوم کو مل کر سزا دینا تجویز کیا ہے جب تک وہ اپنی غلطی تسلیم نہ کرلے اور معاشرہ میں امن کی صورت حال واپس نہ لوٹ آئے۔

وان طآئفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھماج فان بغت احداھما علی الاُخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الٰی امر اللہ. (الحجرات 9:49)

اسلام گویا ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ ہر فرد اور ہر گروہ کو سیدھے راستے پر گامزن رکھ سکے اور معاشرہ ان کے فساد سے بچا رہے چنانچہ اہل ایمان کے لئے واضح ہدایت ہے کہ ان میں دو گروہ لڑائی پر اُتر آئیں معاشرہ کے بااثر افراد آگے بڑھ کر دونوں گروہوں میں صلح کرائیں اگر اس طرح معاملہ رفع دفع نہ ہو تو افراد معاشرہ کو ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد میں لڑنا چاہیے۔ اگر ظالم ظلم سے باز آئے تو ان کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے اور ان کے خلاف لڑائی بند ہونا چاہیے اور آپس میں صلح کرا دینی چاہیے۔ نبی پاک ﷺ کا کمال سیرت یہ ہے کہ اپنی زبان سے لوگوں کے سامنے پیش کردہ وحی کو صرف قرآن کی صورت میں ہی تحریری شکل میں دنیا کے سامنے نہیں چھوڑا بلکہ سب سے پہلے خود ان احکامات پر عمل کر کے دکھلایا اور اپنے آپ کو اپنے عمل سے پیامبر امن و عافیت ثابت کیا۔ کس بھی دوسرے فاتح سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ جب وہ واپس ان لوگوں کے درمیان لوٹتا جنہوں نے تیرہ برس ان پر اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں پر ظلم توڑا اور ہر قسم کا ستم آزمایا یہاں تک کہ زندگی اجیرن کر دی تو وہ بھی انہی باتوں کو دوہراتا اور فاتح کی حیثیت میں اپنا بدلہ لیتا اور یوں معاشرتی عافیت کا بیج ہی مارا جاتا مگر نبی اکرم ﷺ نے مکہ فاتح کی حیثیت سے لوٹ کر سب سے پہلے اعلان قرآن کی زبان میں یہی فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء۔[46]

"آج کے دن تم پر کوئی باز پُرس نہیں جاؤ' تم سب آزاد ہو۔"

نبی پاک ﷺ نے برائے قیام امن مکہ المکرّمہ میں مسلمانوں پر زیادتیاں ہوتے دیکھ کر انہیں طاقت سے جواب دینے کے لئے نہیں فرمایا بلکہ قیام امن کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔(47)

قریش کے قطع تعلق کا جواب قطع تعلق سے نہیں دیا بلکہ امن و امان کی خاطر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔(48)

سفر طائف میں جب آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے اذیت پہنچائی گئی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے امن و عافیت کی دُعا کی' ہلاکت کی بددعا نہ کی۔

بل أرجو أن يخرج الله عزوجل من اصلابهم من يعبد الله عزوجل وحدهٗ لاشريک به شيئا.(49)

جب قریش نے آپ ﷺ کو ہجرت مدینہ پر مجبور کر دیا اور سفر ہجرت کے دوران سراقہ بن مالک انعام کے لالچ میں پیچھا کرتے ہوئے مبتلاء عذاب ہونے کے بعد امن کا خواستگار ہوا تو اس داعی امن و اخوت نے اس کو بھی پروانہ امن لکھ دیا۔(50)

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب سفیر قریش سہیل بن عمرو نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے باسمک اللھم لکھنے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے منظور فرما لیا مگر اگلا مرحلہ نہایت مشکل مرحلہ تھا' معاہدہ پر یہ عبارت درج تھی:

هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله

یعنی یہ معاہدہ جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تسلیم کیا۔ سہیل نے کہا: اگر آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا؟ آپ صرف اپنا نام لکھوائیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ یہ فرما کر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اچھا میرا خالی نام لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے اس اعزاز کو مٹانے پر تیار نہ ہوئے تو خود آپ ﷺ نے مٹا دیا اور صرف نام باقی رکھا۔ یہ صرف قیام امن میں رکاوٹ دور کرنے کی خاطر تھا۔(51)

قیام امن کے لئے عفو و درگزر:

مدینہ تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ نے میثاق مدینہ اور رشتہ مواخات کا سلسلہ قائم کرتے ہوئے امن واخوت کی وہ بنیاد ڈال دی جو اصلاح معاشرہ کا ایسا سبب بنی کہ آج تک تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صلح حدیبیہ کے نکات پر غور کیجئے اور پھر فتح مکہ کا وہ دن پہنچا جو کسی بھی فاتح کی خوابوں کی تعبیر ہوتی ہے۔ دنیا نے پہلی جنگ عظیم کے بعد "Warsaw Pact" کی صورت میں فاتح اور مفتوح کا معاملہ دیکھا ہے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی لیکن کیا داعی امن واخوت کے اس عمل کی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں اتنی عظیم فتح ہوئی جو اکیس برس کی طویل اور جان لیوا کشمکش کے بعد حاصل ہوئی اور وہ بھی اس پُرامن طریقہ پر قتل و غارت سے اسلامی فوج کو بالکل منع کر دیا اور یہ اس شہر کی بات ہے جس میں آپ ﷺ کے لئے قدم قدم پر کانٹے بچھائے گئے' گلے میں کپڑا ڈال کر ایذاء رسانی کی گئی۔

آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے تیار کئے گئے اور آخرکار آپ کو اس شہر سے نکل جانے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اسی شہر میں حضور ﷺ نے خون کا ایک قطرہ گرانا بھی پسند نہیں فرمایا' بڑے بڑے جانی دشمن مفتوح ہو کر سامنے آئے تو اس داعی امن واخوت نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا۔

لا تثریب علیکم الیوم ط اذھبوا فانتم الطلقاء۔ (52)

فتح مکہ کے موقعہ پر یہ بھی اعلان فرمایا:

من دخل دار أبی سفیان فھوا أمن من غلق بابه فھو امن۔

یعنی جو شخص کعبہ کے اندر چلا جائے یا اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے یا ابوسفیان کی حویلی میں پناہ لے یا حکیم بن حزام کے گھر چلا جائے گا ان سب کے لئے امن و عافیت کی ضمانت ہے۔ (53)

نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ آج رحم اور امن و عافیت کا دن ہے۔ (54)

فتح مکہ کے موقع پر رسالت مآب ﷺ نے اعلان فرمایا:

دم الجاهلية موضوعة ان اوّل دم اضعه دمائنا دم ابن ربيعة۔[55]

"جاہلیت کے تمام انتقامی خون باطل کئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کی طرف سے ربیعہ بن الحارث کا خون باطل (معاف) کرتا ہوں۔"

توجہ فرمایئے کہ ہم سے پیغمبرامن و اخوت ﷺ کا عملی تقاضا کیا ہے اور ہم کس جانب جا رہے ہیں؟

کاش کہ آج کے دور کا انسان اس حقیقت سے آشنا ہو جائے تو اختلاف قوم' رنگ ونسل اور زبان تمام جھگڑے ازخود ہی مفقود و متروک ہو جائیں اور نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ دنیائے عالم میں امن و اخوت کا عظیم رشتہ قائم ہو جائے گا جس کے لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وما كان الناس الا امةً واحدةً فاختلفوا۔ (یونس 19:10)

رسول اللہ ﷺ کے سامنے امن و عافیت کی ایک تاریخی مثال وہ تحریری عہدنامہ بھی ہے جو آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے لئے بطور امان نامہ کے لکھوایا۔ اس کے الفاظ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ انسانوں کے درمیان عمر بھر قیام امن کے لئے کوشاں رہے' معاہدہ میں یہ باتیں محفوظ ہیں:

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں' ان کا مذہب' ان کی زمینیں' ان کا مال' ان کے حاضر و غائب' ان کے قافلے' ان کے قاصد' ان کی مورتیاں اور ان کی امان رسول اللہ ﷺ کی امانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق پر دست اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیاں بگاڑی جائیں گی۔ کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے' کوئی راہب اپنی رہبانیت سے اور کلیسا کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ جو اِن کے قبضے میں ہے' اسی طرح رہے گا۔ ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا اور نہ ان سے قومی

خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عشر لگایا جائے گا اور نہ مسلم فوج ان کی سرزمین پامال کرے گی۔ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا' ان کو نہ ظلم کرنے دیا جائے گا نہ ان پر ظلم ہو گا۔ ان میں سے جو سود کھائے گا وہ میری امانت سے بری ہے۔''(56)

نبی پاک ﷺ نے جتنی جنگیں لڑیں' ان پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ جنگیں قیصر و کسریٰ کی طرح کی احساس برتری کا نتیجہ تھیں اور نہ یہ جنگیں فتوحات کے شوق میں لڑی گئیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مخالفین نے سر تسلیم خم کر دیا یا منتشر ہو گئے یا راہ فرار اختیار کی' صلح کے لئے ہاتھ بڑھایا' ہتھیار ڈال دیئے یا مقابلے پر ہی نہ آئے تو پھر مسلمانوں نے بھی تلوار نہیں اٹھائی۔ جنگ برائے جنگ کی کبھی اسلام نے پذیرائی نہیں کی' اسلام میں جنگ محض برائے جنگ نہیں بلکہ جنگ قیام امن کا ذریعہ ہے۔ جب مقصد حاصل کر لیا جائے یا مہم کا مقصد پورا ہو جائے تو بے مقصد خونریزی اسلام نہیں چاہتا۔ جدید دور کی بات یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں املاک کا جو نقصان ہوا وہ تو ہوا لیکن جس طرح انسانی خون پانی کی طرح بہایا گیا' تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہیروشیما' ناگاساکی میں ایٹمی دہشت گردی میں لاکھوں بے گناہ افراد مارے گئے لیکن حرف شکایت زبان پر لانے کی کوئی جرأت نہیں کرتا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں اور کفار کے درمیان جو جنگیں لڑی گئیں' ان میں فریقین کے کل 838 افراد لقمہ اجل بنے۔ ان میں سے مسلمان شہداء کی تعداد 152 ہے جبکہ 686 غیر مسلم مارے گئے۔ نتیجہ ان جنگوں کا یہ نکلا کہ 9 لاکھ مربع میل کے علاقے میں امن و امان قائم ہو گیا۔(57)

اتنے لوگوں کا آج کسی ایک آدھ بلوے' اجتماعی مظاہرے یا بم دھماکے میں ہلاک ہو جانا معمولی بات ہے۔ چند سو مقتولین کی کہانی کو افسانوی رنگ دے کر اسلام کو بدنام کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اعداد و شمار کے مطابق پہلی جنگ عظیم میں 75 لاکھ انسان مارے گئے جبکہ دوسری جنگ عظیم میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ کروڑ تک پہنچ گئی۔(58)

اسلام مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور پوری دنیا کے لئے بالعموم امن و سلامتی کا

پیغام ہے۔ ہادی برحق سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"(59) وفی روایة من سلم الناس

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان (بعض روائتوں میں دوسرے لوگ) محفوظ رہیں' کی روایت موجود ہے۔ مسلمان کو مومن اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ امن پسند ہے۔ یہ لفظ امن سے ماخوذ ہے جو متعدی اور لازم دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ متعدی کے معنی میں امن دینے کے ہیں جبکہ لازم میں پُرامن ہونے کے ہیں۔ گویا کہ مؤمن خود بھی پُرامن رہتا ہے اور اس کا علمبردار بھی ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

المؤمن من امنه الناس علی دماء هم و اموالهم.(60)

یعنی مومن وہ ہے کہ جس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں۔

قیام امن کیلئے قتل وخونریزی سے اجتناب ضروری ہے:

اسلام بلاوجہ ایک انسان کا قتل' ایک انسانی ہی کا نہیں پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من قتل نفسًا بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکأنما قتل الناس جمیعاً.

(المائدۃ 32:5)

"جس شخص نے کسی دوسرے کو علاوہ جان کے بدلہ یا زمین میں فساد بپا کرنے کی غرض سے قتل کیا تو گویا اس نے سارے لوگوں کو ہی مار ڈالا۔"

اس آیت کریمہ میں مقصود قاتل کی فطرت کا اظہار ہے کہ جو ظالم ناحق ایک انسان کو قتل کرتا ہے اس سے کوئی خیر اور بھلائی کی توقع نہیں۔ اس کا دل انسانیت کے احترام سے خالی ہے۔ ایسا آدمی پوری انسانیت کا اور امن عامہ کا دشمن ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اسے جرم کرتے دیکھ کر اس پر دلیر ہو جاتے ہیں اور اس جرم کے برعکس اگر کوئی شخص کسی کو مظلومانہ موت سے نجات دلا کر بچاتا ہے تو وہ بھی اتنی ہی بڑی نیکی ہے کیونکہ ایسا شخص انسانیت کا ہمدرد اور امن عامہ میں ممد و معاون بنتا ہے۔

درج ذیل احادیث ملاحظہ ہو:

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی مظلوم قتل ہوتا ہے تو اس کے خون کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر لاد دیا جاتا ہے کیونکہ وہی پہلا شخص ہے جس نے قتل کو جاری (ارتکار) کیا۔''(61)

''حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ حجتہ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کراؤ۔ (میں نے چپ کرا دیا) آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔''(62)

اس حدیث سے معلوم ہوا مسلمان کا قاتل مسلمان نہیں رہتا' وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ مظلوم کی مدد تو ٹھیک ہے مگر ظالم کی کیسے مدد کریں؟ فرمایا: ظلم سے اس کے ہاتھ پکڑ لو۔''(63)

حافظ ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے' امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف جب بلوائیوں نے بدتمیزی اور بے ہودگی کا مظاہرہ کیا اور ان کو شہید کرنے کے درپے ہوئے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے مقابلے کی اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا: ''اے ابوہریرہؓ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمام لوگوں کو شمول میرے قتل کر دو۔'' تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: نہیں۔ تو عثمانؓ نے فرمایا: ''فانک ان قتلت رجلا واحدا فکانما قتلت الناس جمیعا۔''(64)

کسی کو قتل کرنا تو کجا رہا قتل میں معمولی سی معاونت بھی حرام ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اعان علی قتل مؤمن بشطر کلمۃ لقی اللہ مکتوب بین عینیہ ایس من رحمۃ اللہ۔ (65)

''جو شخص کسی مسلمان کو قتل یعنی مدد کرے خواہ آدھے کلمے ہی سے کیوں نہ ہو تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا یہ اللہ کی رحمت سے

مایوس ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے فیصلہ خون (بہا) کے بارے ہی ہو گا۔[66]

بلکہ اس سے آگے دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یحل لمسلم ان یروع مسلما.[67]

"کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسلمان بھائی کو ڈرائے اور اسے خوف زدہ کرے۔"

صحیح مسلم میں یہ بھی ارشاد ہے:

من أشار الی اخیه بحدیدة فان الملائکة تلعنه حتی ینزعه.[68]

"جو کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے اس پر اللہ کے فرشتے لعنت کرتے ہیں تا آنکہ وہ اس سے باز آ جائے۔"

اس طرح جذبہ قتل، مصمم ارادہ قتل کے بارے میں اسلام کے احساسات کس قدر نازک ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم مقابلے کے لئے نکلیں اور ان میں سے ایک مارا جائے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ قاتل تو اپنے جرم کی سزا پر جہنم میں جائے گا مگر مقتول کیونکر جہنم میں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس لئے کہ "**انه کان حریصا علی قتل اخیه**" یعنی وہ (مقتول) اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔[69]

لہٰذا جو اسلام کسی انسان کو قتل کرنا تو کجا اسے ارادہ قتل سے بھی منع کرتا ہے کسی کو ڈرانے، دھمکانے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ قتل گری، دنگا فساد کی اجازت کیونکر دے سکتا ہے؟ اسلام نے ناحق جانوروں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا اسی بناء پر علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

ثبت النهی عن قتل البهیمة بغیر حق والوعید فی ذلک فکیف بقتل الآدمی فکیف بالمسلم، فکیف بالتقی الصالح.[70]

"جب جانوروں کو ناحق مارنے کی ممانعت اور اسی سلسلے میں وعید ہے تو پھر سوچئے

کہ انسان کے ناحق قتل کی کتنی مذمت ہو گی اور اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کو قتل کرنے اور اس سے بڑھ کر متقی و نیکوکار کے قتل کی کیا وعید ہو گی؟"

اسلام کے علاوہ آج دنیا میں جتنے نظام حیات پائے جاتے ہیں ان سب میں انسانی جان کا احترام انسان کے عالم وجود میں آنے کے بعد ہے مگر اسلام میں انسانی جان کا احترام اس وقت سے ہے جب وہ شکم مادر میں ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اس کے جسد خاکی کے احترام کی تاکید کرتا ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام جس قدر انسان اور انسانیت کا محافظ ہے' دنیا کا کوئی اور مذہب اور قانون اس کا محافظ اور پشتیبان نہیں۔[71]

مگر افسوس کہ آج اہل مغرب نے اپنے میڈیا کے بل بوتے پر بڑے شدومد اور پوری ڈھٹائی سے یہ پروپیگنڈا کیا ہے کہ اسلام انتہاپسندی' دہشت گردی' قتل و قتال کا حکم دیتا ہے حالانکہ صورت حال اس کے برعکس ہے۔ ہادیٔ برحق پیغمبر امن و سلامتی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا:

لا تتمنوا لقاء العدو وسلو الله العافية.[72]

"دشمن سے جنگ کی تمنا (خواہش) نہ کرو اور اللہ سے امن و عافیت کا سوال کرو۔"

جس دین نے دشمن کا آمنا سامنا کرنے کی خواہش تک کو روک دیا ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اسلام قتل گری کی تعلیم دیتا ہے' کس قدر نامعقول بات ہے۔ اسلام نے بلاشک جہاد کا حکم دیا ہے۔ اسلام ظالم' جابر اور سفاک کے خلاف اقدام کو انسانی فریضہ قرار دیتا ہے۔ اس کے بغیر امن و سلامتی قائم نہیں رہ سکتی جہاں مظلوموں کی جان بخشی کے لئے گفت وشنید اور اخلاقی دباؤ کی چارہ گری ناکام ہو جائے۔ عورتیں' بچے اور بوڑھے مسلسل ظلم و بربریت کا شکار ہوں ان کی مدد کرنا اور انہیں پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لئے جدوجہد کرنا کیا یہ دہشت گردی ہے؟ اسلام بلاسبب کسی مسلمان کو مذہب کے نام پر خون بہانے اور قتل و قتال کا قطعاً حکم نہیں دیتا۔ جہاد کا مقصد غیر مسلم کو قتل کرنا' صفحہ ہستی سے انہیں نیست و نابود کر دینا نہیں' وہ اپنی کشور کشائی کے لئے قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ

جب چاہو اور جہاں چاہو اس کو ''تورابورا'' بنا دو بلکہ جہاد سے اسلام کا مقصد امن و سلامتی اور عدل و انصاف کا قیام ہے۔ جہاد کا مقصد اگر قوت و طاقت سے کسی کو مسلمان بنانا ہوتا تو اسلام ذمی اور معاہد کے حقوق کا ذکر ہی نہ کرتا اور تو اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کی اجازت دیتا ہے تو وہ گویا کہ انہیں اپنے گھر اور اپنے معاشرے میں قابل احترام بیوی کا مقام دیتا ہے۔ اب انہی اہل کتاب کے بارے میں بھلا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جہاں کہیں ہوں انہیں قتل کر دو' تہس نہس کر دو اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔ دہشت گردی کیا ہے؟ یہی نا کہ انسانوں کو بلاسبب (بلاوجہ) مار کر افراتفری اور دہشت پھیلانا اور کاروبار زندگی مفلوج و معطل کر دینا دہشت گردی ہے اور اس تعریف پر اگر آج کوئی پورا اُترتا ہے تو وہ امریکہ' اس کے حواری اور ہنود و یہود ہیں جو خود ہی مدعی اور خود ہی منصف اور خود ہی حاکم کا کردار ادا کرکے عالم اسلام کے لئے بالخصوص اور پوری دنیا کے امن و امان کو بالعموم برباد کر رہے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد سے اب تک امریکہ بیس (20) سے زائد ملکوں میں فوجی مداخلت کرکے لاکھوں معصوم شہریوں کا خون بہا چکا ہے اور اپنے مفاد کے لئے جہاں چاہتا ہے' ظلم و تشدد کا مظاہرہ کرتا ہے اور انہیں پتھر کے زمانہ میں دھکیل دینے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ وہ ملک ویت نام ہو' کوریا ہو' بوسنیا ہو' لبنان ہو' سوڈان ہو' انڈونیشیا ہو' عراق ہو' سعودی عرب ہو یا کہ پاکستان!

امریکہ کی اسی دھونس اور دہشت گردی کے سامنے عالمی ادارۂ امن و سلامتی کونسل ہو یا اقوام متحدہ! بے بس ہے اور بدنام مسلمان ہو رہا ہے۔ اس صورت حال میں ہمیں چاہیے کہ اسلام کا نظام امن و سلامتی جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے پوری قوت و حکمت سے پھیلائیں اور دنیا کو بتلا دیں کہ امن و سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے جو اسلام نے بتلایا ہے' دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں۔

قیامِ امن اور پیغمبرِ امن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قیام امن کے لئے جو مساعی آج تک دیکھنے' سننے اور پڑھنے میں آئیں ہیں' ان کی بنیاد لازمی طور پر کسی نہ کسی نظریئے اور نظام کی مرہون منت ہے۔ نظریہ سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کو انسان صحیح اور حق سمجھتا ہے اور مقصود زندگی کو اس کے تابع چلاتا ہے اور نظام سے مراد وہ طریقۂ کار ہے جس کے ذریعے کسی مقصد کو حاصل کیا جا سکے' انہی دونوں چیزوں کے بگاڑ اور سنوار پر دنیا کی پوری قوموں کا بگاڑ اور سنوار موقوف ہے جس کا نظریہ اور عقیدہ ہی غلط ہو وہ نظامِ کار خواہ کتنا ہی مستحکم اور معقول کیوں نہ رکھتا ہو' وہ کبھی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا اور جس کا نظریہ اور عقیدہ تو درست ہو مگر نظامِ کار غلط یا ناہموار ہو تو وہ اس نتیجے کو حاصل نہیں کر سکتا جو صحیح عقیدہ اور نظریہ سے حاصل ہوتا ہے۔

پیغمبر امن ﷺ نے عالم انسانیت کو عقیدہ و نظریہ بھی وہ دیا جو عقل و فطرت کی رو سے بالکل صحیح و حق ہے اور نظام بھی وہ دیا جو ہر شعبہ زندگی میں نہایت معتدل' آسان' فطری اور کامیاب ہے۔

توحید کا صاف اور واضح عقیدہ:

قیام امن کے لئے پیغمبر امن ﷺ کا سب سے پہلا کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو توحید خالص کا صاف اور واضح عقیدہ دیا جو انقلابی' معجزنما' قوت و زندگی سے لبریز' کایا پلٹ کر دینے والا اور معبودانِ باطل کا تختہ اُلٹ دینے والا ایسا عقیدہ ہے کہ نہ انسانیت نے اس سے پہلے کوئی ایسا عقیدہ پایا تھا اور نہ قیامت تک پا سکے گی' اس عقیدے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دنیا بلا حاکم و مالک کے یا کئی حاکموں کی مشترکہ ملکیت نہیں بلکہ اس کا ایک ہی بادشاہ ہے' جو اس کا خالق و مالک' صانع اور حاکم و مدبر ہے۔ خلق و امر کا اختیار اسی کو ہے۔ (الاعراف: 54)

اسی طرح یہ کائنات اپنی تخلیق و وجود میں اس کے ماتحت اور تابع فرمان ہے۔

(آل عمران 174:3)

اس لئے ان تمام مخلوقات کو جو ارادہ و اختیار رکھتی ہیں اس کا فرمانبردار ہونا

چاہیئے۔ (اس موضوع کی تفصیلات کیلئے ''تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات'' ابوالحسن ندوی' ص 22-36)

وحدت انسانی کا تصور (مساوات انسانی):

پیغمبر امن ﷺ نے قیام امن کے لئے دوسرا کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ وحدت انسانی کا تصور قائم کیا۔ اس سے پہلے انسان قبائل و اقوام کے اونچ نیچ طبقات اور دائروں میں بٹا ہوا تھا اور ان طبقات کا باہمی فرق ایسا اور اتنا تھا جتنا انسان و حیوان' آزاد و غلام اور عابد و معبود کا فرق ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے وحدت و مساوات انسانی کا تصور خواب و خیال بن چکا تھا' رسول اللہ ﷺ نے صدیوں کی طویل خاموشی اور چھائے ہوئی اندھیرے میں یہ انقلابی' قلوب و اذہان کو جھنجھوڑ دینے والا اور حالات کے رُخ موڑ دینے والا اعلان فرمایا:

> ایھا الناس ان ربکم واحدٌ' وان اباکم واحدٌ' کلکم من آدم' وآدم من تراب ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم' ولیس لعربی علی اعجمی فضلٌ إلا بالتقوی. (مجمع الزوائد/ خطبات محمدی' ص 825)
>
> ''اے لوگو! تمہارا ربّ ایک اور تمہارا باپ ایک' تم سب آدم کے (بیٹے) ہو اور آدم مٹی سے (پیدا کئے گئے) تھے' تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے شریف سب سے متقی انسان ہے اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ ہی کے سبب ہے۔''

یہ فرمان دو اعلانوں پر مشتمل ہے جو امن و سلامتی کے قیام کے لئے دو ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں (وحدة الرب' وحدة الأب) جن پر ہر جگہ اور ہر زمانہ میں امن و امان کی عمارت قائم ہوئی۔ اس طرح ایک انسان دوسرے انسان کا دو رشتوں سے بھائی ہوتا ہے ایک رشتہ جو بنیادی ہے وہ یہ کہ دونوں کا ربّ ایک ہے' دوسرا رشتہ جو ثانوی ہے وہ یہ کہ دونوں کے باپ (مورث اعلیٰ) ایک ہی ہیں چنانچہ دین اسلام میں کوئی نسل کسی نسل پر اور کوئی قبیلہ کسی قبیلے پر فوقیت نہیں رکھتا اصل معیار فضیلت تقویٰ ہے۔ (تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات' سیّد ابوالحسن ندوی' ص 31-49)

انسان کی شرافت وعظمت کا اعلان:

پیغمبر امن ﷺ نے قیام امن کے لئے تیسرا کام یہ کیا کہ انسان کی شرافت و عظمت اور اس کے علو منزلت کا اعلان کیا تاکہ فتنہ وفساد میں اس کا خون ارزاں قیمت پر نہ بہے۔ آپ ﷺ سے پہلے انسان ذلت ونکبت کی پستی میں گر چکا تھا اور روئے زمین پر اس سے زیادہ ذلیل وحقیر کوئی چیز نہیں رہ گئی تھی' پیغمبر امن ﷺ نے انسانیت کو اس کی شرافت وعظمت واپس کی اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کیا اور یہ اعلان کیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے قیمتی وجود اور گرانقدر جوہر ہے اور دنیا میں اس سے زیادہ باعظمت اور محبت وحفاظت کی مستحق اور کوئی شئے نہیں۔ آپ ﷺ نے انسان کا درجہ اتنا بلند بیان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نائب وخلیفہ قرار پایا جس کے لئے اس نے دنیا پیدا کی (البقرۃ 2:29) اور اس ارشاد نبوی سے زیادہ انسان کی عزت وعظمت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے:

الخلق عیال اللہ' فأحب الخلق الی اللہ من أحسن الی عیالہ. (السنن الکبری' للبیہقی)

''اللہ کی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔''

جب کہ پیغمبر امن ﷺ کی بعثت سے پہلے ایک ایک فرد کی مرضی پر ہزاروں انسانوں کی زندگیاں موقوف رہتی تھیں' کوئی بادشاہ اٹھتا اور ملکوں کے ملک' قوموں' کھیتوں اور آبادیوں کو پامال کرتا چلا جاتا اور راج ہٹ یا سیاسی تفوق کی خاطر خشک وتر کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ آپ ﷺ نے آدم زادوں (انسانوں) پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی شرط لازم بتایا۔

(سنن ترمذی' باب 16' ما جاء فی رحمۃ الناس' حدیث نمبر 1924)

عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی:

پیغمبر امن ﷺ نے قیام امن کے لئے معاشرے کے ایک اہم جزء ''عورت'' کی حیثیت عرفی کی بحالی فرمائی اور اجر وثواب کے معاملہ میں مساوات مرد وزن کا تصور

اُجاگر کیا جس سے وہ تمام تر فساد ختم ہو گیا جو عورت کے حوالہ سے مختلف قوموں' ملکوں اور طبقات میں برپا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسی تعلیمات امن عالم انسانیت کو عطا فرمائیں جنہوں نے عورت کے وقار و اعتبار کی بحالی' انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلانے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ قرآن کریم اور پیغمبر امن ﷺ کی تعلیمات پر ایک سرسری نظر بھی عورت کے بارے میں جاہلی نقطۂ نظر اور اسلامی زاویۂ نگاہ کے کھلے فرق کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ (المرأۃ فی القرآن' عباس محمود العقاد' ص 51-57)

آپ ﷺ نے عورتوں کو ملکیت و میراث کا حق' خرید و فروخت کا حق' شوہر سے علیحدگی (خلع) کا حق (اگر ضروری ہو)' منگنی ختم کرنے کا حق (اگر وہ اس سے راضی نہ ہو)' عیدین' جمعہ اور جماعت کی نمازوں میں شرکت کا حق اور اس کے علاوہ متعدد حقوق عطا کئے۔ یہ سب باتیں عورتوں میں ہمت' خودداری' خود اعتمادی پیدا کرتی ہیں اور جدید اصطلاح میں انہیں احساس کمتری (Inferiority Complex) سے دور رکھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ انہی تعلیمات کے نتیجے میں پیغمبر امن ﷺ کے بعد سے عصر حاضر تک مشاہیر خواتین اسلام میں معلمات' مربیات' مجاہدات' ادیبہ و مصنفہ' حافظات قرآن' احادیث کی روایات اور عابدات و زاہدات کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے جو معیاری اور مثالی معاشرہ قائم کرنے اور قائم رکھنے میں اہم کردار کی حامل ہیں جبکہ اسلام سے پہلے عورت کی یہ حیثیت عرفی کسی بھی نظریئے اور نظام میں نہیں پائی جاتی۔

دین و دنیا کا اجتماع:

قیام امن کے لئے پیغمبر امن ﷺ نے ایک کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ انسانی زندگی میں دین و دنیا کا اجتماع پیدا کیا۔ دین جبکہ قدیم مذاہب اور خاص طور پر مسیحیت نے انسانی زندگی کو دو حصوں میں بانٹ رکھا تھا جس میں ایک دین کے لئے اور دوسرا دنیا کے لئے مخصوص تھا' اسی طرح اس کرۂ ارض کو بھی دو کیمپوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا ایک کیمپ دینی لوگوں کا تھا اور دوسرا دنیاداروں کا تھا اور یہ دونوں کیمپ صرف الگ ہی نہ تھے بلکہ ان کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل تھی' دونوں کے درمیان ایک آہنی دیوار کھڑی تھی اور دونوں میں پنجہ آزمائی اور رسہ کشی جاری تھی کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق انسان دو کشتیوں میں

بیک وقت سوار نہیں ہوسکتا ہے اور معاشی جدوجہد اور خوشحالی دار آخرت اور خالق کائنات سے غفلت برتے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اس طرح حکومت و سلطنت کو دینی و اخلاقی تعلیمات اور اللہ کے خوف سے الگ رکھ کر ہی باقی رکھا جاسکتا ہے اور دوسری طرف مذہبی زندگی رہبانیت اور دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کے بغیر نہیں گزاری جاسکتی۔ پھر اس صورت حال کو مسیحی انتہا پسندوں نے اور ابتر کر دیا جو فطری بشریت کو روحانی تزکیہ اور قرب الٰہی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے اور جنہوں نے اسے گمراہ کرنے اور سخت ترین احکام و ظالمانہ تعلیمات کے ذریعے اسے سزا دینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ انہوں نے دین کو ایسی وحشت ناک اور نفرت انگیز شکل میں پیش کیا تھا کہ جس سے اس کے ماننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں آخرکار دین کا حلقہ اثر بُری طرح سمٹنے لگا اور نفسانیت و ہوٰی پرستی (اپنے وسیع معنوں میں) اپنے عروج پر پہنچ گئی اور دنیا دو متضاد پہلوؤں کے درمیان ڈولنے لگی پھر (دینی احساس کی کمزوری کے سبب) لادینیت اور عمومی اخلاقی انتشار کے عمیق گڑھے میں گرتی چلی گئی۔

پیغمبر امن ﷺ نے دین و دنیا کے مابین اس وسیع خلیج کو پاٹ دیا اور ان دونوں متحارب کیمپوں کو (جو ایک زمانہ سے ایک دوسرے سے برسرپیکار اور کھلی دشمنی اور مسلسل نفرت کا شکار تھے) صلح و صفائی اور محبت کے ساتھ آپس میں ملا دیا اور امن و اتحاد کے ساتھ جینا سکھا دیا۔ اپنے اس کارنامے کی روشنی میں پیغمبر امن ﷺ ''رسول وحدت'' اور بیک وقت ''بشیر و نذیر'' نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے نوع انسانی کو دو جنگ آزما محاذوں سے اٹھا کر ایمان و احتساب، انسان نوازی اور اللہ کی رضاجوئی کے محاذ پر لگا دیا اور ہمیں یہ جامع معجز نما اور وسیع المعنی دُعا سکھا دی:

ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.

(البقرة 201:2)

''ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخش اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

اس طرح پیغمبر امن ﷺ نے دین و دنیا کی علیحدگی کے نظریہ کو حرف غلط بنا کر

پوری زندگی کو عبادت اور ساری روئے زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا اور انسان کو متحارب و متصادم چھاؤنیوں سے نکل کر ایک متحد محاذ پر لا کھڑا کیا جہاں کے بادشاہ آپ کو فقیروں کی گڈری میں، عابد و زاہد ملوک و امراء کی پوشاک میں نظر آئیں گے، جو حلم و برداشت کے پہاڑ، علم و حکمت کے سرچشمے رات کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار ہوں گے اور ان کی شخصیت میں کوئی تضاد اور بے اعتدالی نظر نہ آئے گی۔

(تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات و احسان، ص 87-110)

حدود اور تعزیری قوانین کا نفاذ:

قیام امن کے لئے پیغمبر امن ﷺ نے ایک کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ حدود و تعزیرات کا نفاذ فرمایا جو کہ انسان کی اجتماعی زندگی کو پورے امن و عافیت کے ساتھ بسر کرنے کا ذریعہ ہے، ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ سوسائٹی میں بُرائیاں رواج نہ پائیں، بدچلنی روکی جائے اور معاشرت میں بدنظمی و بے راہ روی پیدا نہ ہونے پائے، یہی وجہ ہے کہ ان بُرائیوں اور جرائم کی سزا سخت رکھی گئی جن کا بُرا اثر نہ صرف اصل مجرم ہی تک محدود رہتا ہو بلکہ اس سے پورے سماج اور معاشرت کی فضاء متاثر ہوتی ہو اور دوسرے بے شمار انسانوں میں دیکھا دیکھی معصیت کے رجحانات اور جذبات پیدا ہوتے ہوں حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کثرت سے یہ جرائم ہونے لگیں کہ ان کی اصلاح اور روک تھام دشوار ہو جائے۔ پس اس وقت تک کوئی نظام امن و امان کا نظام نہیں کہلا سکتا جب تک اس طرح کے جرائم کے سدباب کے لئے معمولی سزاؤں اور محض ترغیب و ترہیب پر اکتفا کیا جائے گا بلکہ اس کے لئے عین مصلحت اندیشی اور حکمت عملی یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو نظام امن کے لئے کسی طرح مہلک ثابت ہوتا ہو تو اسے ایسی سخت اور عبرتناک سزا دی جائے جس سے نہ صرف وہ خود اس کے اعادہ سے باز آ جائے بلکہ وہ تمام لوگ بھی جو اس جرم کی طرف کوئی طبعی میلان رکھتے ہوں، لرز جائیں اور ارتکاب جرم کی ہمت و جرأت نہ کر سکیں۔ اسلامی حدود تعزیرات میں اسی اصل الاصول کو پیش نظر رکھ کر بعض جرائم کے لئے سخت سزائیں رکھی گئی ہیں چنانچہ ان میں سے چند مثال کے طور پر درج ذیل ہیں تاکہ اس بات کی پوری وضاحت ہو جائے کہ ان خطرناک جرائم

کی سزائیں کسی ظالمانہ اصول پر مبنی نہیں بلکہ عادلانہ حکمت اور مصالح امن کے عین مطابق ہیں۔

1- زنا:

جب انسان اپنی حیوانیت سے مغلوب ہو کر اس ممنوع فعل کی طرف اقدام کرتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ صنف نازک کا ایک ہی فرد بہت سے انسانوں کی خواہش نفس کا مرکز بن جاتا ہے اور ہر شخص اس سے اپنی آتش نفس بجھانے کا متمنی ہوتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ انساب میں اشتباہ ہتک عزت' حقوق کی پامالی اور کبھی کبھی خوں ریزی اور باہمی جنگ و پیکار بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اجماعی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ جرم ان جرائم میں سے ایک ہے جن کی مضرتیں انسانی تمدن اور نظام امن پر حملہ آور ہو کر تہذیب و معاشرت کے متاع تاراج کر ڈالتی ہیں چنانچہ اس کے لئے سزا بھی سخت رکھی گئی کہ اس کا مرتکب اگر شادی شدہ ہے تو اسے سنگسار کیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے 100 کوڑے لگائے جائیں۔

2- قذف:

کسی شریف مرد یا عورت پر زنا کی تہمت اور جھوٹا الزام لگانا' صرف اسی کے لئے رسوائی اور اذیت کا باعث نہیں ہوتا بلکہ اس سے خاندانی عداوت کا شاخسانہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور انتقامی جذبے کی آگ بھڑک کر جنگ و جدل کی نوبت آ جاتی ہے' اس کے علاوہ زوجین کے ازدواجی تعلقات بھی ایک بے بنیاد شبہ کی بناء پر ناخوشگوار ہو جاتے ہیں اور امن و امان کی صورت حال تہہ و بالا ہو جاتی ہے لہٰذا اس کے مرتکب کو 80 کوڑے لگانے کا حکم صادر ہوا۔

3- چوری:

انسان جب کسب معیشت کا کوئی صحیح ذریعہ نہ پا کر اور کفاف زندگی کا کوئی سہارا باقی نہ دیکھ کر چوری کو ذریعہ معاش بناتا ہے تو نہ صرف اپنے لئے ہی بلکہ بہت سے اور انسانوں کے لئے بھی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے چنانچہ اس کے لئے سزا بھی سخت

ترین تجویز کی گئی کہ ایسے جرم کے مرتکب کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

4- رہزنی و قزاقی:

تمدنی زندگی پر حملہ کرنے والے جرائم میں قزاقی ایک بڑا جرم اور بدترین معصیت ہے۔ ڈاکوؤں کی اچانک اور ظالمانہ حرکتوں سے امن عامہ بالکل تباہ ہو جاتا ہے اور کوئی شخص بھی جان و مال اور عصمت کو محفوظ نہیں پاتا اور ان کی حفاظت کی فوری تدبیر سے بالکل قاصر و مجبور محض ہوتا ہے لہٰذا اس جرم کے مرتکبین کے لئے جلاوطنی و قتل کی سزا رکھی گئی۔

5- شراب نوشی:

عقل انسان کا ایک مابہ الامتیاز جوہر ہے جو اُخروی فوز و فلاح اور دنیوی کامیابیوں کا ذریعہ ہے، اسی کی بدولت وہ خیر و شر اور صحیح و غلط میں فرق و تمیز کرتا ہے جبکہ شراب نوشی انسانیت کے اس امتیازی جوہر کو معطل و بے کار اور تعقل و تفکر سے محروم کر دیتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شرابی سے عالم بدمستی میں وہ وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو انسانیت کے لئے ننگ و عار اور امن اجتماعی کے لئے مفسدہ عظیم بن جاتی ہیں چنانچہ ایسے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے 40 کوڑے کی سزا متعین کی گئی۔

جرائم کی مذکورہ بالا مثالیں ان بدترین جرائم میں سے چند ہیں جن کے مہلک جراثیم نظام امن و امان کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''دین امن'' اور پیغمبر امن ﷺ نے ان جرائم کی سزا مقرر کرتے وقت صرف زجر و توبیخ پر اکتفا نہ کیا بلکہ ہر جرم کی تباہ کاریوں کی نوعیت ملحوظ رکھ کر سزائیں متعین کیں چنانچہ جو جرم نظام امن کی بربادی کے لئے جتنا زیادہ تباہ کن تھا اس کی سزا بھی ویسی ہی سخت و عبرتناک مقرر کی گئی اور پھر پیغمبر امن ﷺ کا حکیمانہ اسلوب و انداز یہ ہے کہ بُرائی اور جرم کے خاتمہ کے لئے اس کے اسباب و عوامل کو بھی ختم کر دینے کا حکم دیا ہے۔ زنا اور بدکاری سے ہی منع نہیں فرمایا بلکہ غیر محرم کو دیکھنے، تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھنے، سفر کرنے، نرم لہجے میں بات کرنے، بناؤ سنگار اور زیب و زینت اختیار کر کے باہر نکلنے، مٹک مٹک کر چلنے سے بھی منع فرمایا۔ شراب سے منع فرمایا تو اوائل میں ان برتنوں کے استعمال سے بھی روک دیا گیا جن میں یہ

تیار کی جاتی تھی۔ قتل ناحق ہی سے نہیں روکا بلکہ قتل پر اعانت‘ اشارۂ قتل‘ سرعام ننگی تلواروں اور اسلحہ کی نمائش سے بھی سختی سے ممانعت فرمائی۔ اختلاف و انتشار اور قطع تعلقی و لڑائی جھگڑے ہی سے منع نہیں فرمایا بلکہ گالی گلوچ‘ طعن و ملامت‘ تنابز بالالقاب‘ بغض و حسد اور عناد و غیض و غضب سے بھی روک دیا جو عموماً لڑائی جھگڑے اور اختلاف و قطع تعلقی کا سبب بنتے ہیں تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!

ظالموں کی ستم ظریفی:

ان تعلیمات اور احسانات کے باوجود آج پیغمبر امن ﷺ کی بابت کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ”امن کے دشمن‘ جنگ و جدل کے جویا“ اور ”انسانیت کے دشمن“ ہیں تو پھر اور کون سا ایسا ہوگا جس کی تعلیمات امن کا درس دیتی ہیں؟ اور انسانیت کی دوست ہوں؟ تلاش کریں‘ اگر مل جائے تو بتا دیں۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارة أُعدت للکفرین. (البقرة 24:2)

”پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز بھی نہیں کر سکتے تو (اسے ہی سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جو (انکار کرنے والے) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔“ (تفسیر احسن البیان‘ صلاح الدین یوسف‘ ص 6)

کیا پیغمبر امن ﷺ انسانیت کے دشمن ہیں؟

آج پیغمبر امن ﷺ کی بابت کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی تلوار اور آپ ﷺ کے قرآن سے دنیا کو خطرہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور قرآن (نعوذ باللہ) دہشت گردی‘ انسانیت دشمنی اور انتشار و اختلاف کا درس دیتے ہیں۔ یہ بات پہلے بھی 1870ء میں شائع شدہ ایک کتاب ”لائف آف محمد ﷺ“ میں یو۔ پی بھارت کے گورنر ولیم میور نے لکھی۔ وہ اپنے خبث باطن کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

”دو چیزیں انسانیت کی سب سے بڑی دشمن ہیں: محمد (ﷺ) کا قرآن اور محمد (ﷺ) کی تلوار۔“ (موج کوثرؒ از شیخ محمد اکرام‘ ص 163)

حالانکہ اگر قرآن کریم اور پیغمبر امن ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو ان

دونوں میں سراسر انسانیت کی فلاح و بہبود اور عالم انسانیت کے لئے امن و راحت کا پیغام ملتا ہے اور شرف آدمیت کے وہ اصول ملتے ہیں جو دنیا کے کسی دستور میں نہیں ملتے' پیغمبر امن ﷺ نے انسانیت کی عظمت و احترام پر حقوق انسانی (Human Rights) کے متعلق وہ دائمی تصور دیا ہے جسے بلاخوف تردید انسانیت نوازی پر مبنی دائمی دستاویز کہا جا سکتا ہے' پھر آپ ﷺ کا ''معاہدہ حلف الفضول'' تو سراسر مظلوموں کی امداد کا پہلا تاریخی منشور ہے' اسی طرح تاریخ انسانی کا اوّلین معاہدۂ امن ''مؤاخات'' ہے' اسی طرح ریاستی حقوق کی پہلی تحریری اور تاریخی دستاویز ''میثاق مدینہ'' ہے' اس طرح بنیادی انسانی حقوق کا پہلا منشور ''خطبہ فتح مکہ'' ہے' اسی طرح انسانی حقوق کا عالمی اور دائمی منشور ''خطبہ حجۃ الوداع'' ہے۔ یہ سب دساتیر و معاہدات حقوق انسانی کے لئے ہی تو ہیں' پھر اس پر مستزاد یہ کہ یہ دساتیر و معاہدات اور تعلیمات فقط کاغذی' تخیلاتی اور دفعات محض نہیں بلکہ عملی طور پر نافذ العمل بھی ہیں۔ اب اس کے باوجود بھی اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر امن ﷺ کی تلوار سے عالم انسانیت کو خطرہ ہے تو اس سے بڑھ کر تعصب اور ہٹ دھری کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کچھ متعصب لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو کچھ سمجھ نہیں آتا تو یہی کہنے لگے کہ ''اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے'' حالانکہ یہ ایسا جھوٹ ہے کہ شاید اس آسمان کے سائے میں ایسا بڑا جھوٹ کوئی نہ بولا گیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سفید جھوٹ کی تردید کرنا بھی سچ کی توہین و تحقیر ہے۔

اسلام دین امن و سلامتی

ظلم' بربریت' جارحیت' غارتگری' ناانصافی' شرانگیزی اور دہشت گردی کو روکنا جہاد کا مقصد وحید ہے۔ اسلام سلامتی و امن کا دین ہے' مسلمانوں نے تلوار اس وقت اٹھائی جب فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے سفارتی سطح پر تمام کوشش ناکام ہوگئیں اور باطل استحصالی قوتوں کے قلع قمع کے لئے طاقت کا استعمال ناگزیر ہوگیا۔ بحیثیت دین امن اسلام کی ناگزیریت سے انکار ممکن نہیں پیغمبر اسلام ﷺ تو کل جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے' اسلام کی تعلیمات زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں اور قیامت تک انسانی تمدن کی جبین کا جھومر' علم و دانش کی آبرو اور حکمت و تدبیر کا وقار ہیں۔ اسلام امن عالم کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ رحمت عالم' محسن انسانیت ﷺ کی حیات مبارکہ میں حق کے دشمن کے خلاف لڑی جانے والی لڑائیوں کا نتیجہ پائیدار امن کی صورت میں سامنے آیا۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی نشوونما ایک ایسے نظام حیات کے بغیر ممکن نہیں جو ہر سطح پر ہر مرحلے پر امن و سلامتی کی ضمانت فراہم نہ کرتا ہو اور ارشاد الٰہی ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام. (آل عمران 91:3)

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

اسلام کی آفاقی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی پُرامن معاشرے کا قیام ممکن ہے۔ ان تعلیمات کے عملی نفاذ سے شاہراہ حیات پر کامیابی و کامرانی کے ان گنت مقفل دروازے بھی کھولے جا سکتے ہیں۔ خوشحالی کو عام آدمی کی دہلیز تک بھی لایا جا سکتا ہے۔ جب تک ہر فرد معاشرہ آسودہ لمحوں سے ہمکنار نہ ہو' جب تک ہر دریچے میں چراغ نہ جلیں' جب تک ہر گھر کی چمنیوں سے دھواں نہ اٹھے اور جب تک ہر گھر کے آنگن میں آسودگی کی دلہن کی ڈولی نہ اُترے اس وقت تک زندگی کے تمام فلسفے اور ان کی توضیحات اور تشریحات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انسان کا بنایا ہوا کوئی نظام نہ حرف آخر ہوسکتا ہے اور نہ غلطیوں سے مبرا لیکن اسلام نے جو نظام حیات ہمیں دیا ہے' وہ اعتدال و توازن کا شاہکار ہے' عدل و انصاف کے آفاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ اس میں نہ کوئی جھول ہے اور نہ

کوئی خلاء اسلام ہر حوالے سے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے یہ چند محض دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں فرد کی عملی رہنمائی کرتا ہے۔[73]

اسلامی عقائد و عبادات برائے حصول امن ہیں:

اسلام چونکہ مستقل امن و سلامتی کا خواہاں ہے اس لئے وہ تصور سلام پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے اور اس کے لئے وہ سب سے پہلے فرد کے اندر امن کا احساس پیدا کرتا ہے اور اس کے ضمیر و وجدان میں عقیدہ اخلاق کی ایسی جوت جگاتا ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مجسم امن و سلامتی بن جاتا ہے کیونکہ انسان جب متعدد معبودوں کی پرستش کے باوجود بھی روحانی امن وسکون سے محروم رہتا ہے تو اسلام کا نظریہ توحید اسے تسلی دیتا ہے:

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون.

(الانعام 82:6)

یعنی امن وسکون تو اہل توحید کے لئے مقدر ہے جب اسے دوسروں کے عیش و تنعم کے مقابلے میں اپنی بدحالی دیکھ کر پریشانی لاحق ہوتی ہے تو عقیدہ قضاء و قدر اس کے لئے سامان تسکین ثابت ہوتا ہے۔ جب وہ بے راہ رو ہونے لگتا ہے تو عقیدہ آخرت اور اس کی ہولناکی اسے راہ راست پر لے آتی ہے اور جب کسی کا حق مارنے اور قتل و خون کا ارادہ کرتا ہے تو اسلام کا نظریہ قصاص و دیات اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے۔ اس طرح فرد کی زندگی امن حقیقی سے آشنا ہو جاتی ہے۔

بعینہٖ اسلامی عبادات بھی امن پروگرام کی تنفیذ میں غیر معمولی کردار ادا کرتی ہیں مثلاً نماز برائیوں سے روکتی ہے:

ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر. (العنکبوت 45:29)

خلق خدا کے حقوق کی یاددہانی کراتی، نفس کو سرکشی اور استکبار سے روکتی ہے اور اس کے اندر جذبہ شکر پیدا کرتی ہے۔

ان الانسان خلق ھلوعاًo اذا مسہُ الشر جزوعاًo واذا مسہ الخیر منوعاًo الا المصلین الذین ھم علی صلاتھم دآئمونo والذین فی اموالھم حق معلومٌo للسائل والمحروم. (المعارج 70: 19 تا 25)

زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ سے غریبوں، معذوروں، یتیموں اور بے کسوں کی دادرسی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے:

فلا اقتحم العقبۃo وما ادراک ما العقبۃo فک رقبۃo او اطعم فی یوم ذی مسغبۃo یتیماً ذا مقربۃo او مسکینا ذا متربۃo (البلد 90: 11 تا 16)

صدقے سے سکون و تزکیہ نفس کا سامان فراہم ہوتا ہے:

خذ من اموالھم صدقہ تطھرھم و تزکیھم بھا. (التوبہ 103:9)

روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے، غریبوں کا دکھ درد سمجھنے کا موقع ملتا ہے ارو اس سے بدکاری و فحاشی پر ضرب پڑتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء.[74]

حج جذبہ وحدت پیدا کرتا ہے، تفریق رنگ و نسل مٹاتا ہے، ہر طرح کی برائیوں اور جنگ و جدل سے روکتا ہے اور تمام انسانیت کی فلاح و بہبود کا سامان فراہم کرتا ہے:

الحج اشھر معلوماتٌ ج فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج. (البقرۃ 197:2)

فرد کے بعد اسلام خاندان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی سلامتی کے لئے سب سے پہلے ازدواجی زندگی کا پرسکون تصور پیش کرتا ہے، بقائے امن کی خاطر اختلاط مرد و زن کو حرام اور عورتوں کے لئے پردہ لازم ٹھہراتا ہے۔ بدامنی پھیلانے والے عناصر کو قرار واقعی سزا کا مستحق قرار دیتا ہے:

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدٍ منھما مائۃ جلدۃٍ ص. (النور 24 :2)

اسی طرح اگر زوجین کے مابین نباہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہ پاتی تو خاندانی امن کو برقرار رکھنے کے لئے طلاق کی بھی اجازت دیتا ہے۔ آج آزادیٔ نسواں کی دعوے دار مغربی دنیا کا جائزہ لیں تو پتا چلے گا کہ مغربی معاشرے میں خواتین کے چہرے کی شادابی غائب ہو چکی ہے، ان کا قلبی سکون لٹ چکا ہے کیونکہ ان کا فیملی سسٹم بگڑا ہوا ہے نتیجتاً وہ اسلام کو اپنے لئے جائے امان تصور کرنے لگی ہیں۔

فرد و خاندان کے بعد اسلام معاشرے میں قیام امن کی سعی کرتا ہے اور سد ذرائع کے اصول پر عمل کرتے ہوئے بدامنی پھیلانے والے عناصر کو بیخ و بن ہی سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً معاشرے میں بدامنی' اختلاف و انشقاق سے پھیلتی ہے' اسلام کہتا ہے:

ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم. (الانفال 46:8)

امانت میں خیانت سے پھیلتی ہے' اسلام کہتا ہے:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنٰت الی اھلھا. (النساء 60:9)

فقر و فاقہ سے پھیلتی ہے' اسلام کہتا ہے:

انما الصدقٰت للفقرآء والمسٰکین. (التوبہ 60:9)

ناانصافی کے پیٹ سے جنم لیتی ہے' اسلام کہتا ہے:

اعدلوا قف ھو اقرب للتقوی. (المائدۃ 8:5)

بدعہدی سے پھیلتی ہے' اسلام کہتا ہے:

واوفوا بالعھدج ان العھد کان مسئولا. (بنی اسرائیل 34:17)

ظلم کی پشت پناہی اور تعصب سے پھیلتی ہے' اسلام کہتا ہے:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی.

(المائدۃ 8:5)

بدامنی جبر و اکراہ کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے' اسلام اعلان کرتا ہے:

لا اکراہ فی الدین. (البقرۃ 256:2)

معاشرے میں بدامنی لادینی سیاست سے پھیلتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام کی نگاہ میں ذوق جمال اور فارغ البالی ممنوع نہیں بلکہ وہ اسے بنظر استحسان دیکھتا ہے:

قل من حرم زینۃ اللہ التی لا اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق.

(الاعراف 32:7)

لیکن آرٹ، کلچر اور فنون لطیفہ کے نام پر اشاعت فحش کی مذمت بھی کرتا ہے:

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم لا فی الدنیا والاخرۃ. (النور 19:24)

اس طرح جب فرد اور معاشرے میں بدامنی پھیلانے والے عناصر کی روک تھام ہو جاتی ہے اور وہ امن وسکون کا نگہبان اور گہوارہ بن جاتا ہے تو اسلام قومی و بین الاقوامی سطح پر قیام امن کی کوشش کرتے ہوئے ساری انسانیت کو ایک اکائی قرار دیتا ہے، اخوت کی جہانگیری قائم کرتا ہے، رنگ ونسل کی تفریق مٹاتا اور معیار فضیلت تقویٰ قرار دیتا ہے:

یاَیھا الناس ان خلقنکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقکم. (الحجرات 13:49)

اسلامی تصور امن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر انسان کی جان اور خون کو محترم قرار دیتا ہے جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے، اس کی نگاہ میں قتل ناحق سب سے بڑا گناہ ہے[75] حتیٰ کہ وہ کسی ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل تصور کرتا ہے۔ (المائدۃ 32:5)

کوئی شخص محض عقیدہ، زبان اور قومیت کی بنیاد پر حق زیست سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اسلام مخلوط سوسائٹی میں پُرامن بقائے باہمی کا نظریہ ہی نہیں پیش کرتا بلکہ وہ عملاً اس کے استحکام کے لئے بھی کوشش کرتا ہے وہ جہاں یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے مسلم بھائیوں سے خندہ پیشانی سے ملو اور ان کے سلام کا گرمجوشی سے جواب دو:

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا. (النساء 86:4) وہاں فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لئے، ہر مذہب کے مذہبی رہنماؤں کی تکریم بھی سکھاتا ہے:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم.

(الانعام 108:6)

لیکن اسلام کی ان تمام واضح تعلیمات کے باوجود عام طور پر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ مسلمان علیحدگی پسند، جنگجو اور ملکی و عالمی سلامتی کی راہ کے روڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دہشت گردی کی بعض کارروائیوں میں کسی نام نہاد اسلام پسند افراد یا گروہ کے ملوث

ہونے کے سبب' سارے اسلام اور مسلمانوں کو ہی بدنام کرنا عام سی بات ہو گئی ہے اور اس کارروائی کو اسلامی دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جیکو (Jaco) الفا' ایل ٹی ٹی ای' پی ایل اے' وشواہندو پریشد اور بجرنگ دل کی دہشت گردانہ کارروائیوں کو ہندو' یہودی یا مسیحی دہشت گردی نہیں قرار دیا جاتا۔ اس پر طرہ یہ کہ آج اسلام کے نظریۂ جہاد کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ گویا مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلوار لئے ہوئے خونیں آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آ رہا ہو جہاں کسی کافر کو دیکھتا ہو' پکڑ لیتا ہو اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہو کہ بول ''لا الہ الا اللہ'' ورنہ سر قلم کر دوں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں جہاد کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور اس عمل کو ذروۃ سنام الاسلام کہا گیا ہے لیکن کب؟ جبکہ حقوق انسانی پامال کر دیئے جائیں' عبادت گاہوں کے وجود کو خطرہ لاحق ہو' اہل اسلام کی جان و مال' عزت و آبرو اور گھر بار خطرے میں پڑ جائیں' ظلم ہی ظلم ہو اور اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہ جائے۔ ایسی صورت میں وہ فتنے کے ازالے اور اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لئے جنگ کا حکم دیتا ہے۔ وہ کسی بھی حال میں امریکہ کی طرح آپریشن بلیو سٹار اور آپریشن ان ڈیورنگ فریڈم کا بگل نہیں بجا دیتا بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ دوران جنگ محاربین کے بوڑھوں' بچوں' اپاہجوں' مذہبی رہنماؤں اور عورتوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ مقتولین کا مثلہ نہ کیا جائے اور آتش زنی' لوٹ مار' قتل عام' بم دھماکے' مفتوحین کے ساتھ وحشیانہ سلوک اور نسلی تطہیر سے پرہیز کیا جائے۔[(76)]

کیا اس طرح کے بلند جنگی اخلاقیات کسی اور تہذیب میں پائے جاتے ہیں۔ عصر حاضر کا سب سے بڑا کرب یہ ہے کہ جب جنگ کے حوالے سے بات ہوتی ہے تو قصداً معاصر تہذیبوں کی جنگی بربریت اور خوں آشامی کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے اور جہاد اسلامی کی وحشت ناکی نمک مسالے کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ فرانس میں جمہوری انقلاب کے دوران بیک ور بیسیوں سروں کی ناریلوں کی طرح اڑانے والی گلوٹین کے ذریعے 66 لاکھ انسانوں کا صفایا کر دیا گیا۔ روس میں اشتراکی انقلاب کے دوران کروڑوں جانیں تلف ہوئیں۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں بالترتیب

73 لاکھ 38 ہزار اور ایک کروڑ 6 لاکھ 85 ہزار آدم زادوں کا آفتاب حیات گل ہوا۔ ہنسا پرمودھرما کے پجاریوں کی مہابھارت بھی ایک روایت کے مطابق ایک کروڑ انسانوں کے خون سے رنگین ہے۔(77)

اسی طرح حالیہ دنوں افغانستان اور عراق کے خلاف امریکہ کی غیر متوازن اور بلاجواز جنگ میں کتنی معصوم جانیں ہلاک ہوئیں اور کس قدر املاک برباد ہوئیں وہ روزروشن کی طرح عیاں ہے' پھر بھی یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ جنگیں عادلانہ تھیں اور عادلانہ ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں کل 82 غزوات و سرایا میں صرف 918 افراد کی شہادت و ہلاکت کو دہشت و بربریت و سنگ دلی تصور کیا جاتا ہے۔(78)

مختصر یہ کہ اسلام نے امن کا جو تصور دیا ہے وہ جامع' دیرپا اور ساری انسانیت کے لئے یکساں مفید ہے۔ اس کے برعکس معاصر تصورات امن وقت کی پیداوار' انسانی تجربات کی اختراع اور الٰہی نظام کے تابع نہ ہونے کے سبب ناقابل عمل ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے تصور امن سے دنیا کو واقف کرایا جائے یقیناً وہ دن دور نہیں جب دنیا یہ اعتراف کر لے گی کہ امن عالم فقط دامن اسلام میں ہی ملے گا۔

تجاویز

آخر میں قیام امن کے تعلق سے چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

انسانیت کا احترام:

انسانی ترقی کے لئے عزت نفس کا خیال ازحد ضروری ہے۔ آج دنیا میں قیام امن کی کوششیں اس لئے ناکام ہو رہی ہیں کہ اس کے نزدیک حکومت و قومیت اور لسانیت انسانیت پر مقدم ہے اور ناقابل انکار صداقت ہے کہ جب تک تقدس انسانیت کے بجائے' تقدیس حکومت و قومیت اور لسانیت کا جذبہ کارفرما رہے گا' دوسروں کی حق تلفی ہوتی رہے گی۔ ظلم و بربریت کا عفریت' انسان کے ذہن و دماغ پر سوار رہے گا اور دہشت گردی کے مظاہرے ہوتے رہے ہیں۔

مخلوط معاشرت اور صحت مند مکالمہ:

اس دنیا میں مذاہب اور تہذیبوں کا اختلاف امر واقع ہے جس کو مسلح تصادم اور معرکہ آرائی سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ باہمی گفت و شنید اور افہام و تفہیم کے لئے فضاء خوشگوار رکھنی چاہئے تاکہ امن و سلامتی کے ساتھ زندگی گزاری جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس نہج پر پیدا کیا ہے کہ وہ حسن خلق' احسان اور انصاف سے متاثر ہوتا ہے لیکن دھونس اور دھاندلی سے اس کے اندر ضد اور خودسری پیدا ہوتی ہے۔

پُرامن اختلاف رائے اور آزادی اظہار:

حصول امن کے لئے پُرامن اختلاف رائے اور مذہبی اظہار کی آزادی ضروری ہے۔ ان کے بغیر قیام امن محال ہے۔ 11 ستمبر 2001ء کے واقعات کے بعد افغانستان کے خلاف امریکہ کی مسلح کارروائی کے تناظر میں' ہیومن رائٹس واچ کے ڈائریکٹر نے کہا تھا:

> ''اگر امریکہ کی قیادت میں انسداد دہشت گردی کی مہم' پُرامن اختلاف رائے اور مذہبی اظہار خیال پر حملے سے آہنگ ہو جاتی ہے تو یہ اس چیز کی بنیاد کھوکھلی کر کے رکھ دے گا جس کو حاصل کرنے کے لئے امریکہ کوشش کر رہا ہے۔ (دی ہندو' دہلی' 28 ستمبر 2001ء)

اسباب تشدد اور اس کا انسداد:

دہشت گردی کی کارروائیاں اور تشدد بہرحال قابل مذمت ہے۔ اس سے باز رکھنا انسانیت کی خدمت اور خیرخواہی ہے لیکن جو بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اگر معاملات کی اصلاح کے جائز اور معقول راستے بند کر دیئے جائیں گے اور محض قوت' ہٹ دھرمی' مفاد پرستی' تعصب' مادی و عسکری برتری اور علاقائی یا عالمی بالادستی کے مذموم مقاصد کے لئے' دوسرے انسانوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا جائے گا اور ناانصافی ہوتی رہے گی تو اس کا فطری ردعمل ہوگا۔ اصل مسئلہ تشدد کے اسباب کی کھوج اور اصلاح کا ہے۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ' بموں' میزائلوں اور انسانی بستیوں پر آگ برسانے

سے نہیں لڑی جاتی ہے۔

الاسلام هو الحل:

اس وقت دنیا میں قیام امن کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسلام کے تصور صلح سے زیادہ قریب ہے اور یہ ایسے معاہدے سے جو ترغیب و ترہیب' مسلح مداخلت اور اثر و رسوخ کے استعمال کے نتیجے میں ہو' عمل میں آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حصول امن کی عارضی صورت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کو اسلام کے تصور ''سلام'' سے قریب کیا جائے جو کہ ایک مثبت اور دائمی امن ہے۔

عصر حاضر کا شر

اس وقت مسلمان پوری دنیا میں مظلوم ہیں' مختلف کافر قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں' ان کی بستیوں کو تباہ کیا جا رہا ہے' اس کے وسائل کو لوٹا جا رہا ہے' ان کے بچوں اور عورتوں کو مارا جا رہا ہے' ان کے نوجوانوں اور بوڑھوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور اُلٹا عالمی سطح پر ان کے خلاف دہشت گردی اور تشدد کا الزام لگایا جا رہا ہے تاکہ مسلمان دفاع نہ کر سکیں اور کافروں کے مظالم کا شکار رہیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کے اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ کافروں کی سازشوں کو بے نقاب کریں اور اسلام کے پیغام امن کو عام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ کافر فساد ہے اور کافروں نے ہمیشہ فساد بپا کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ قرآن کا تبصرہ ہے:

والقينا بينهم العداوة والبغضآء الى يوم القيامة ط كلمآ او قدوا نارًا للحرب اطفاها الله لا و يسعون في الارض فسادًا ط والله لا يحب المفسدين.

(المائدۃ 5:64)

اس وقت اہل کتاب ہی کا اٹھایا ہوا شر ہے جس کی زد میں پوری اُمت مسلمہ ہے۔ سب سے بڑا شر دہشت گردی کا الزام ہے اور اس الزام کے نتیجے میں اُمت مسلمہ کے صالح اور صاحب علم وتقویٰ افراد کو نشانہ بنا کر قتل کیا جا رہا ہے۔ اہل کتاب اسلام کو بے وقعت کرنا چاہتا ہے جس طرح انہوں نے اپنے مذہب کو کونے میں لگایا ہے اس لئے

انہوں نے انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا الزام مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔ کیا مسلمان واقعی انتہاء پسند اور دہشت گرد ہیں؟ آیئے اس کا جائزہ لیں۔

انتہاء پسندی

انتہاء پسندی انگریزی کی اصطلاح **Extremism** کا ترجمہ ہے جو ہمارے ہاں پہلے پہل اخبارات میں استعمال ہوئی پھر دیکھتے ہی دیکھتے مذہبی گروہوں پر چسپاں ہونے لگی۔ انگریزی زبان کا یہ لفظ **Extreme** سے نکلا ہے جس کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔

انتہائی دور دراز' مرکز سے بعید ترین' سخت' شدید' انتہاء پسند' آخری سرے کا' انتہاء حد' سرا وغیرہ۔ **Extremism** کے معنی ''انتہاء پسندی' غلو'' وغیرہ۔[79]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسا رویہ جو معمول کے مطابق نہیں ہے' کسی معاشرے کے فکری و عملی پیمانوں سے باہر اور تہذیبی حدود سے خارج ایسا رویہ جس میں دلیل اور افہام و تفہیم کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس اعتبار سے منصفانہ جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام انتہاء پسندی نہیں بلکہ معمول کا ایک نظریۂ حیات ہے جو تعمیر شخصیت اور استحکام اجتماعیت میں خاص کردار ادا کرتا ہے اور اسلام کی تعلیمات کے اندر اعتدال و توازن ہے۔ قرآن کریم نے انتہاء پسندی کو غلو سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن نے غلو سے منع کیا:

یٰاَھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق.

(النساء 171:4)

اس کا معنی یہ ہے کہ حد سے تجاوز کرنا۔[80]

ایک اور لفظ ہے ''الافراط'' جس کے معنی ہے کہ حد سے تجاوز کرنا۔ ''تفریط'' کوتاہی کرنے کو کہا جاتا ہے۔ محاورہ ہے: **ما فرطت فی کذا** یعنی میں نے فلاں کام میں کوتاہی نہیں کی۔[81]

الطرف ہے شئے کا منتہا اسی سے ''التطرف'' یعنی انتہاء پسندی سے نکلا ہے۔[82]

اسلام دین اعتدال و توازن ہے:

عقائد میں...... ''یٰاَھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم.'' (النساء 171:4)

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں' تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔''(83)

عبادات میں...... حدیث پاک میں ہے کہ تین صحابہ کرامؓ نے نیک نیتی کے ساتھ رہبانیت کا ارادہ فرمایا:

فقال احدهم اما انا فاصلی اللیل ابدا' وقال آخر انا اصوم ولا أفطر وقال آخر أنا اعتزل النسآء فلا أتزوج ابدا.

جب نبی پاک ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا:

''میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا بھی ہوں اور رات کی نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں شادی شدہ ہوں جس نے میری سنت (طریقے) سے منہ موڑا وہ میری اُمت میں سے نہیں۔''(84)

اخلاقیات میں......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا ط ان اللہ لا یحب کل مختال فخور. (لقمان 18:31)

''لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا' زمین میں اترا کر نہ چل' کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند (محبت) نہیں فرماتا۔''

واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ط ان انکر الاصوات لصوت الحمیر. (لقمان 19:31)

معیشت میں...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا. (الاعراف 31:7)

''کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔''

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو چاہو کھاؤ' اور جو چاہو پیو البتہ دو باتوں سے گریز کرو اسراف اور تکبر سے۔''(85)

بعض سلف رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''کلوا واشربوا ولا تسرفوا''

اس آدھی آیت کریمہ میں سارے طب جمع کر دی۔[86]

اسراف کی ممانعت کے متعلق ملاحظہ ہو...... النساء 6:4

اللہ ربّ العزت نے تبذیر سے بھی منع فرمایا:

ولا تبذر تبذیراo ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین.

(بنی اسرائیل: 17: 26 تا 28)

تبذیر کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا بعض کے ہاں تبذیر سے مراد ناجائز امور پر خرچ کرنا ہے خواہ تھوڑا ہو اور جائز امور پر سب کچھ لٹا دینا "اسراف" نہیں ہے جیسے یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سنت ہے۔[87]

قرآن کریم نے اعتدال و توسط کا اعلان کیا کہ دین اسلام اعتدال و توازن کا دین ہے:

وکذٰلک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدًا. (البقرة 142:2)

چونکہ مسلمانوں کا اپنا نظام اقدار ہے اور اس پر مطمئن ہیں تو انہیں بزور اس نظام کو ترک کرنے پر کیوں مجبور کیا جا رہا ہے؟ مسلمان اپنے دین کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو مغرب کو اس سے کیا تکلیف ہے؟ مشکل یہ ہے کہ مغرب پوری دنیا کو اپنا کلچر دینے پر اصرار کر رہا ہے اور جو شخص، گروہ یا ملک ایسا کرنے میں پس و پیش کرتا ہے تو اس پر انتہاپسندی کا لیبل لگا کر اس کے خلاف طاقت کا ستعمال کیا جا رہا ہے، یہی وہ فساد ہے جسے قرآن پاک نے خشکی اور تری کا فساد قرار دیا ہے۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون. (الروم 41:30)

"خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل (ظاہر ہو) گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آ جائیں۔"

دہشت گردی

مسلمانوں پر جس طرح عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں نا اُمیدی اور مایوسی کی ایک کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ بعض مسلمان نوجوانوں نے کفر و الحاد کے اجتماعی تشدد کے جواب میں محدود اور انفرادی تشدد کی کارروائیاں شروع کی ہیں اس پر سارا مغرب چیخ اٹھا ہے اور اس انفرادی جوابی تشدد کو دہشت گردی کا نام دے کر مزید اجتماعی اور منظم دہشت گردی پر اُتر آیا ہے چونکہ اس کے پاس اسلحہ اور میڈیا کی طاقت ہے اس لئے مسلمانوں کو مسلمہ دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔ ان کا خون مباح سمجھا جا رہا ہے لیکن مغرب اور مشرق کی طاقتور قومیں جو تخریب کاری کر رہی ہیں' اسے دہشت گردی کا نام نہیں دیا جاتا لہٰذا ہم دہشت گردی کی تعریف کریں گے۔

دہشت گردی کا مفہوم:

دہشت گردی اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے والا لفظ ضرور ہے مگر اس کی تعریف ابھی تک جامع انداز میں سامنے نہیں آ سکی۔ مختلف ماہرین علوم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے الگ الگ عناصر شامل کئے ہیں۔ وقت اور جگہ کے ساتھ ساتھ اس کی تعریفی الفاظ تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ کہ اس عمل میں تشدد اور تباہی کے ذریعے سیاسی مقاصد کا حصول ہی اصل روح ہے۔

دہشت گردی کی ایک سادہ سی تعریف یوں ہو سکتی ہے:

''دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ و بچار کے بعد تشدد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ خاص سیاسی' مذہبی یا لسانی و نسلی مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔ اگر یہ فعل مالی مقاصد حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہوگا تو ایجنسی مذکور یا ریاست کو بھاری مالی نقصان سے دوچار کر دے گا۔''(88)

ایک امریکن فلاسفر جن کن (Jenkins) کے نزدیک دہشت گردی کی تعریف یوں ہوگی:

"دہشت گردی نام ہے تشدد کئے جانے کا اور تشدد کے واقعات کے تسلسل کا تاکہ خوف کی فضاء قائم رکھی جا سکے۔ ضروری نہیں کہ تشدد کی یہ کارروائی انہی لوگوں کے خلاف ہو جو دہشت گردوں کے مخالف ثابت ہوتے ہیں زیادہ تر تشدد کا نشانہ بننے والے لوگ معصوم ہوتے ہیں اس لئے خوف کی فضاء دہشت گردی کا آخری مقصد نہیں بلکہ یہ تو ایک راستہ ہے اصل منزل تک پہنچنے کا۔"(89)

According to "Encyclopedia of Britanica":

"The systematic use of terror or unpredicatable violence against governments, publics or individuals to attain a political objective."(90)

بعض علماء نے دہشت گردی کی تعریف یوں کی ہے:

"سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے قوت کے استعمال کو دہشت گردی کہا جائے گا۔"(91)

دہشت گردی کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے:

"دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مشتبہ افراد کو کسی غیر جانبدارانہ عدالتی طریقے سے ان کا جرم ثابت کئے بغیر یکطرفہ طور پر سزا دینے کی کوشش بھی دہشت گردی ہی قرار پائے گی۔"(92)

ایک متفقہ مکتب فکر کے نزدیک تھارن ٹن (Thronton) کی یہ تعریف قابل تحسین ہے:

"دہشت کو برسر اقتدار سیاسی گروہ کے خلاف بعض سیاسی، معاشی و معاشرتی نظریات تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کے طور پر استعمال کئے جانے کا نام دہشت گردی ہے اس میں تشدد کے استعمال کی دھمکی بھی شامل ہے اور تشدد کا بھرپور استعمال بھی۔"(93)

According to "Oxford Encyclopedia":

"Terrorism is a deliberate, unjustifiable and

random use of violence for political ends against protected persons."[94]

ہن ٹنگٹن نے دہشت گردی کی تعریف اپنی کتاب میں یوں بیان کی ہے:

"یہ محرومی اور بے بسی کے جواب میں سیاسی مقاصد کے لئے قوت کا استعمال ہے جس کا ہدف کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا نہ ہو بلکہ مقابل قوت کو متوجہ بلکہ خائف کرنے کے لئے کوئی ایسی چونکا دینے والی کارروائی کرنا ہے جو نقصان بھی پہنچائے اور توجہ کو اس مقصد کی طرف مبذول کرانے کا ذریعہ بنے جس کے لئے تشدد کا ارتکاب کیا گیا ہے اسی لئے اسے طاقتور کے مقابلے میں کمزور کا ہتھیار کہا گیا ہے۔"[95]

محمد مشتاق احمد نے دہشت گردی کے بارے میں بیان کیا ہے:

"انسان خواہ مقاتلین ہوں یا غیر مقاتلین ان کے حقوق کی خلاف ورزی میں طاقت کا استعمال یا اس کی دھمکی' دانستہ طور پر غیر قانونی طریقے سے ہو اور اس کا مقصد معاشرے میں خوف و دہشت پھیلانا ہو تو اسے دہشت گردی کہا جائے گا خواہ اس کا ارتکاب افراد کریں یا ان کی تنظیم یا کوئی حکومت!"[96]

ایک ماہر والف نے اس کی تعریف یہ کی ہے:

"دہشت گردی کا خاص مقصد یہ ہے کہ غیر قانونی سرگرمیوں اور کارروائیوں کے ذریعے ایک خاص علاقہ' ریاست یا ملک میں رہنے والی اقلیتوں کے اعتماد کو متزلزل کر دیا جائے تا کہ زیادہ تر لوگ اپنے آقاؤں یا اپنی حکومتوں سے متنفر ہو جائیں حتیٰ کہ ان کی علیحدگی کا عمل مکمل اور ناقابل واپسی ہو جائے۔ ان کے مقاصد میں جمہوری حکومتوں کو ناقابل برداشت حد تک تنگ کرنا ہے حتیٰ کہ دہشت گرد لوگوں کے مطالبات من و عن قبول کر لئے جائیں۔"[97]

According to "The World Book Encyclopedia":

"Terrorism is the use or threat of violence to

create fear and alarm. Most terrorists commit crimes to support political causes."(98)

امریکی پروفیسر اور ایک متلاشی حق سکالر نوم چومسکی نے نومبر 2001ء میں اسلام آباد میں لیکچر دیا جس میں انہوں نے دہشت گردی کے بارے میں اظہار رائے کیا اور کہا:

"دہشت گردی کمزور کا ہتھیار ہے لیکن اسے زیادہ تر طاقتور استعمال کرتا ہے۔"(99)

According to "Grolier's Encyclopedia":

"Terrorism is the sustained, clandestine use of violence, including murder, kindnapping, hijacking and bombing, to achieve a political purpose in popular usage, however, as influenced by politicians and the media, "terrorism is now increasingly used as a generic term for all kinds of political violence, especially as manifested to-revolutionary an dguerrilla warfare Nevertheless not all political violence short of conventional war in terrorism."(100)

آکسفورڈ کنسائزڈ ڈکشنری آف پالیٹکس کا یہ اقتباس حرف معتبر کہا جا سکتا ہے:

"حکومتوں یا اہل علم تجزیہ نگاروں کے درمیان اس کی کوئی متفق علیہ تعریف نہیں ہے بالعموم جانی نقصان پہنچانے والی سرگرمیوں کو بیان کرنے کے لئے یہ بلا استثناء بُرے مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے جو خودساختہ نیم سرکاری گروہ سیاسی مقاصد کی خاطر انجام دیتے ہیں۔ بعض اوقات دہشت گردی کا نیم سرکاری اداروں کے بجائے حکومتوں کے لئے بھی بُرے مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے۔"(101)

نوم چومسکی نے بھارت میں فرنٹ لائن کے سیمینار میں اس موضوع پر بڑی کھری کھری باتیں کیں:

"دہشت گردی تشدد یا تشدد کی دھمکی کا نپا تلا استعمال ہے جو دباؤ ڈال کر اور جبر یا خوف پیدا کر کے سیاسی مذہبی یا نظریاتی نوعیت کے اہداف حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔"(102)

مولانا وحید الدین خاں نے دہشت گردی کی تعریف یہ کی ہے:

"دہشت گردی اس مسلح کارروائی کا نام ہے جو کسی غیر حکومتی تنظیم نے کی ہو، یہ غیر حکومتی تنظیم خواہ کوئی بھی عذر پیش کرے مگر ہر حال میں ناقابل قبول ہوگا۔"(103)

مختصر یہ کہ ہر مفکر نے دہشت گردی کی تعریف ایک مختلف انداز میں کی ہے جس کی وجہ سے اس کی تعریف پر ابھی تک اتفاق نہیں ہو سکا تاہم سیاسی مقاصد کے لئے جارحانہ حملے کا مفہوم اس میں پایا جاتا ہے۔ عام طور پر اس سے یہی مراد لی گئی ہے۔

امریکہ کی وزارت دفاع کے ایک سابق فوجی و سیاسی تجزیہ نگار جان مور (John More) نے اپنے مقالے "اسلامی دہشت گردی" میں دہشت گردی کی یوں تعریف کی ہے:

"Terrorism is the lawful use of threatened of force of violence against individuals or property to coerce or intimidate governments or societies, often to achieve political, religious or incological objectives."(104)

"سیاسی یا نظریاتی مقاصد کے حصول کے لئے مختلف معاشروں، حکومتوں یا افراد کے خلاف غیر قانونی طور پر طاقت کے استعمال کی دھمکی، دہشت گردی کہلاتی ہے۔"

دہشت گردی کی یہ تعریف اگر درست ہے تو کم از کم کوئی مسلمان ملک گزشتہ عشرے میں اس قسم کی دہشت گردی کا مرتکب نہیں ہوا البتہ امریکہ اور اس کے حلیف اس دہشت گردی کے مرتکب ضرور ہوئے ہیں اور صدر امریکہ کا "دفع خطر کے لئے پیشگی حملوں کا نظریہ" (Doctorine of Prembtion) متذکرہ بالا تعریف کی روشنی میں دہشت کی

بدترین شکل ہے۔ بایں ہمہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر اور ان کی انتظامیہ بزعم خود دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام خود اس وقت بدترین دہشت گردی کا شکار ہے۔ اپنے دفاع کے لئے کسی بامعنی حکمت عملی سے عاری اور تہی دامن ہے تو استعماری طاقتیں آہستہ آہستہ مقاومت اور دفاعی صلاحیت رکھنے والے اسلامی راستوں کے گرد گھیرا تنگ کرتی جا رہی ہیں۔

دہشت گردی کے اسباب اور اس کا تدارک:

دہشت گردی کے کیا اسباب ہیں؟ اصل مسئلہ ان اسباب کی کھوج اور ان کی اصلاح ہے جن کے نتیجے میں دنیا کے بیشتر علاقوں میں بشمول امریکہ اور یورپ بغاوت اور بے چینی کی لہریں اُٹھ رہی ہیں اور مظلوم انسان اپنی جان پر کھیل جانے کے لئے مجبور ہو رہے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ بموں' میزائلوں اور انسانی بستیوں پر آگ برسانے سے نہیں لڑی جا سکتی' یہ جنگ تو اسی نوعیت کی جنگ ہے جو غربت' افلاس' بیماری اور جہالت جیسے فتنوں کے خلاف لڑی جاتی ہے۔ یہ غصہ اور طاقت سے نہیں حکمت اور تدبیر سے لڑی جاتی ہے۔ انسانی مسائل کی گرہ کشائی کا راستہ ترک کر کے بعض عسکری قوت سے جب بھی انسانوں کو دبانے کی کوشش ہوئی وہ ناکام رہی ہے۔ تشدد کو بڑھانے اور ظلم میں اضافہ کرنے کا اس سے زیادہ مؤثر کوئی اور طریقہ نہیں کہ انتقام کی آگ میں جل کر عوامی تحریکوں کو قوت سے کچلنے کی کوشش کی جائے۔

دہشت گردی اور اس کے خلاف جنگ دونوں انسانیت کے لئے لمحہ فکریہ ہیں اور 11 ستمبر سے جو حقیقی سبق سیکھا جا سکتا تھا اسے امریکی قیادت اور اس کی نکیل تھامنے والی صیہونی لابی نے امریکی قوم اور پوری دنیا کی آنکھوں سے اوجھل کرنے کی بڑی منظم اور عالمگیر جدوجہد کی ہے اور مغربی میڈیا نے اس سلسلے میں بڑا ہی کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ دہشت گردی ایک اخلاقی اور انسانی جرم ہے لیکن ہر جرم کی طرح اس کا مقابلہ جرم کے اسباب اور تائیدی عوامل کے تعین اور تجزیئے کے بغیر ممکن نہیں۔ 11 ستمبر کے دل دہلا دینے والے واقعے نے بھی امریکی قیادت کی آنکھیں نہیں کھولیں اور اس نے حالات اور

معروضی جائزہ اور حقیقت پسندانہ ردعمل کی جگہ جذباتی اور ہیجانی انداز میں اس انسانی تباہی کو بھی اپنے سیاسی اور معاشی مقاصد اور مفادات کے حصول کے لئے بے دردی سے استعمال کیا ہے۔ یہ ناکامی خود گیارہ ستمبر کے حادثے کی تباہ کاری سے بھی بڑی تباہی کا باعث ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ مسئلہ کی اصل نوعیت کو سمجھا جائے اور کم از کم ان تمام انسانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے اور جنہیں حق و انصاف اور انسانی فلاح و سلامتی عزیز ہے وہ اسباب جنہوں نے دور جدید میں معاشرتی زندگی کے اندر اضطراب پیدا کر دیا ہے اور دہشت گردی کو فروغ دیا ہے' مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ معاشی ناہمواریاں:

جدید دور میں معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے محروم طبقات کے اندر اضطراب ہے' پرانے زمانے میں مالدار اور محروم طبقات دونوں اپنی مادی خواہشات کو محدود رکھتے' ہر طبقے کے لئے خوشیوں کے مواقع موجود رہتے تھے لیکن دور جدید میں لوگوں کی خواہشات اور تمنائیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پھر معاشی لحاظ سے امراء اور غرباء کے درمیان نفرت پیدا ہونے اور احساس محرومی کے تیز ہونے کے مناظر نظر آتے ہیں۔

ایک درندہ شکار کر کے پیٹ بھر لیتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے' سو جاتا ہے لیکن ایک محروم انسان جب انتقام پر آتا ہے تو وہ سب کچھ تباہ کرنے پر بھی تشفی نہیں پاتا بلکہ وہ اس وقت تک اطمینان نہیں پاتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو بھی خودکش بم کے ساتھ پارہ پارہ نہیں کر دیتا۔

لہٰذا ہم نے اگر دنیا سے تشدد ختم کرنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ دولت کو منصفانہ طور پر تقسیم کیا جائے۔ محروم طبقات کی کم از کم ضروریات کو پورا کیا جائے' امراء طبقے اپنی امارت کے اظہار کو محدود کریں۔ اگر وہ عیش پرستی سے باز نہیں آتے تو اسے خفیہ رکھیں۔ ہوٹلوں میں' مکانوں میں' سواریوں میں' محلوں میں' سکولوں اور ہسپتالوں میں فرق کو محدود کریں' فاصلے کم کریں اور معاشرے سے ان تمام مظاہر کو دور کریں جن کی وجہ سے محروم طبقات کی دنیا میں ایک ہیجان اور تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔

اسلام نے اس بات کی طرف انسانوں کو بہت پہلے متوجہ کیا ہے۔ آقائے نامدار

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ قد فرض علیھم زکوٰۃ تؤخذ من اغنیائھم و ترد علی فقرائھم۔[105]

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غرباء کو لوٹا دی جائے گی۔''

گویا کہ محروم لوگوں کے لئے اسلام نے معاشی کفالت کا انتظام کیا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ اسلام نے صدقات نافلہ کا بھی حکم دیا ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے مال پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔''[105a]

2- سیاسی مظالم:

رینڈ کرپورین کے سکالر پارچینی کا یہ بیان حال ہی میں امریکی اخبارات میں شائع ہوا ہے:

''اگر آپ دہشت گردی کی اس صورتحال کو دیکھیں تو آپ اسے ایک سادہ یک رُخا سیاسی فیصلے کی حیثیت سے نہیں دیکھتے عوامل کا ایک مجموعہ اسے متحرک رکھتا ہے۔''

فلپائن کے صدر کے ایک مشیر Jose T. Almonte نے انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون کے جولائی 2002ء کے آخری ہفتے کے ایک شمارے میں بہت کام کی بات لکھی ہے:

''دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے ناگزیر طور پر سفارتی' سیاسی' معاشی' مالیاتی اور ثقافتی اقدامات بشمول پولیس اور فوجی اقدام کے کرنا ہوں گے۔ ترقی پذیر دنیا کے بیشتر حصوں میں سیکولر ریاست اپنی سیاسی آزادی' معاشی خوشحالی اور عدل و انصاف کے وعدوں کو پورا نہیں کر سکی ہے۔''

بات درست ہے لیکن آل مونٹے نے آدھی بات کہی ہے۔ سیکولرازم کی ناکامی اور سماجی انصاف سے محرومی کے ساتھ سیاسی ظلم اور غیر ملکی قبضے بھی ایک اہم سبب ہیں۔ فلسطین' کشمیر' چیچنیا' شیشان اور متعدد مقامات پر سیاسی غلامی استبداد اور دنیا کے مختلف علاقوں میں ایک امریکی فوجی تسلط اور مداخلت بھی نفرت اور انتقام کی آگ کو ہوا دے

رہے ہیں۔ صدر بش کی زبان سے بھی 11 ستمبر اور دہشت گردی کے اسباب کے سلسلے میں یہ الفاظ نکل ہی گئے جو خود کسنجر نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں نقل کئے ہیں:

''یہ اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ان ممالک کی خاموش حمایت کا تعاون حاصل ہوتا جو جارج ڈبلیو بش کے الفاظ میں ''دہشت گردی'' کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اس نفرت کو انگیز کرتے ہیں جو دہشت گردی کرتی ہے۔''(106)

اصل سبب ظلم اور ناانصافی کا وہ نظام ہے جس میں فلسطین پر اسرائیل ناجائز طور پر قابض ہو کر وہاں ریاستی دہشت گردی کر رہا ہے۔ کشمیر پر بھارت کا تسلط ہے اور وہ ریاستی دہشت گردی کر رہا ہے۔

گویا عالمی سطح پر امریکہ کی بالادستی کے منصوبے اور پوری عسکری، سیاسی، معاشی اور ثقافتی یلغار ہی وہ اصل سبب ہے جس نے مجبوراً انسانوں کو بغاوت اور پھر خود تشدد پر ابھارا ہے۔

3۔ سائنسی اور عسکری ترقی میں کمی:

اس ضمن میں تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے بعض مخلص لوگ بھی موجودہ حالات کا غلط تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے یہ محسوس کرتے ہیں کہ جب سے ہم عسکری ٹیکنالوجی میں غیر مسلم اقوام سے پیچھے ہوئے اسی وقت سے ہمارا زوال شروع ہو گیا تھا اس سلسلے میں وہ اپنے تئیں کچھ ٹھوس دلیلیں بھی دیتے ہیں مثلاً ان کا خیال ہے کہ برصغیر میں مغلوں کا زوال ہی اس وجہ سے شروع ہوا کہ ان کی ہم عصر غیر مسلم اقوام ایجادات و اختراعات میں ترقی کر رہی تھیں جبکہ مغل حکمران ابھی تیر و تلوار پر ہی قناعت کئے ہوئے تھے۔ ان کی تیاریاں بڑھتی جا رہی تھیں وہ زمین سے فضاء تک کی تسخیر میں منہمک تھے، ایسے میں عصری سائنسی انقلاب سے بے نیاز مسلمان حکمران ان کے آگے کیسے ٹھہر سکتے تھے۔

''ایک عام لبرل آدمی سے لے کر ہمارا حکمران اور معروف دانشور طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے ابھی اتنی سائنسی، معاشی، اقتصادی اور عسکری ترقی نہیں کی تھی کہ آج کی دنیا کے طاقتور ترین ملک امریکہ یا ایسی کسی سامراجی طاقت سے پنجہ آزمائی کر سکتے اس لئے سب

سے پہلی ضرورت یہی ہے کہ ہم سائنسی اور معاشی میدان میں زبردست ترقی کریں تب ہی ہم امریکہ اور طاقتور ممالک کی دہشت گردیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ (107)

یہ سب درست ہے لیکن پھر بھی اصل چیز ایمان ہے' اگر ایمانداری سے ہم اپنی تاریخ کا جائزہ لیں جب قرن اوّل ہی سے اسلام کا پھریرا آدھی سے زائد دنیا پر لہرانے لگا تھا تو کیا اس وقت ہم اسلحے اور ٹیکنالوجی کے لحاظ سے اپنی ہم عصر اقوام سے سبقت حاصل کئے ہوئے تھے؟ اسلام کے غلبے کی ابتدائی جنگ ہی ان حالات میں شروع ہوئی کہ مسلمانوں کے پاس لڑنے کے لئے نہ کوئی اسلحہ تھا' نہ کوئی تیر تلوار اور گھوڑے لیکن ان کے پاس ایمان کی دولت اور توکل علی اللہ تھا جس کی وجہ سے انہوں نے کافر اقوام پر فتح پائی۔

لیکن کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ سائنسی و عسکری اور علمی ترقی کی ضرورت نہیں ہے' یہ تو ہر صورت ہونی چاہئے جتنی بھی ممکن ہو کیونکہ یہ قرآن کا حکم ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل. (الانفال 60:8)

گویا سائنسی و عسکری ترقی میں کمی دہشت گردی کا ایک سبب تو ہو سکتا ہے لیکن سائنسی ترقی میں کافروں پر برتری حاصل کرنے تک بیٹھے رہنا' کافروں کی غلامی قبول کر لینا یا اسے ہی غلبہ و نصرت کا بنیادی سبب سمجھنا یہ بھی اسوۂ رسول ﷺ و عمل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف ہے۔

4- باہمی اتحاد کا فقدان اور غداری:

دہشت گردی کے اسباب یقیناً بہت سے ہوں گے اور ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر جب بھی دہشت گردی ہوئی تو اس کی ہمیشہ ایک بڑی اہم اور بنیادی وجہ رہی اور وہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا فقدان' باہمی کشت و خون اور غداری ہے۔ آج ہم موجودہ دہشت گردی کی وجہ عالم اسلام کی کمتر سائنسی ترقی کو قرار دیتے ہیں تو پھر تاریخ میں مسلمانوں پر ایسے بھی مواقع آئے کہ جب وہ طاقت و تعداد اور وسائل ہر لحاظ سے کافروں پر برتر تھے یہاں تک کہ وہ پوری دنیا پر غالب تھے لیکن غداریوں نے انہیں نقصان عظیم پہنچایا۔

آج طالبان حکومت کے خاتمے میں بھی غداری نے ہی سب سے بڑا اور اہم رول ادا کیا اس کے بغیر امریکہ اپنی تمام تر طاقت کے باوجود کچھ نہ کرسکتا تھا جو اس نے اب کر کے دکھایا۔ غرض جب اپنوں کی غداریوں کی یہ صورتحال ہو تو پھر ایسی قوم کو تو ایک معمولی طاقت بھی آسانی سے دہشت گردی کا نشانہ بنا سکتی ہے۔

مسلمانوں کے باہمی اختلافات بھی ان پر دہشت گردی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ کافروں میں باہمی اختلاف جتنا بھی زیادہ ہو لیکن جب کوئی کافر ملک مسلمانوں کے مقابلے میں آتا ہے تو باقی کافر اپنے تمام اختلاف بھلا کر مسلمانوں کے اس دشمن کافر ملک کی پشت پر آموجود ہوتے ہیں جبکہ مسلمان ایسے موقعوں پر اپنے مسلمان ملک کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں جس سے وہ مسلمان ملک کافروں کی دہشت گردی کا نشانہ بنتا ہے۔[108]

5- ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال:

ذرائع ابلاغ جس قسم کے پروگرام نشر کرتے ہیں' ان کی وجہ سے جنسی خواہشات غالب آجاتی ہیں۔ اس تمام صورت حال کی وجہ سے ہماری سوسائٹی میں ایک اضطراب برپا ہے اور یہ اضطراب جرائم کے ارتکاب اور تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جو لوگ تشدد اور دہشت گردی اور جرائم نہیں کر سکتے وہ ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا اس وقت جلتی پر تیل کا کام کر رہا ہے۔ ہمارے میڈیا سے جو ڈرامے نشر ہوتے ہیں اس میں عشق' مستی اور پھر شادی اور اغواء کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا اس کے سوا اگر کچھ ہوتا تو وہ تشدد کے مظاہرے ہوتے ہیں چنانچہ بچوں کا مرغوب کھیل یہ ہو کر رہ گیا ہے کہ وہ فائرنگ کریں اور دوسرے بچوں کو نڈھال کر دیں یا قتل کر دیں۔ یہ بچے جب بڑے ہوں تو تشدد نہ کریں گے تو اور کیا کریں گے؟

اس وقت ذرائع ابلاغ ہمارے مطمئن معاشرے کے اندر تلاطم برپا کر رہا ہے' پیاس اور بے چینی پیدا کر رہا ہے لیکن ہمارے مختاران کار مغرب کی نقالی میں اس تباہی کی راہ پر آنکھیں بند کر کے دوڑ رہے ہیں۔

6- فطرت کی کجی:

دہشت گردی کا ایک سبب بعض افراد اور گروہوں کی فطرت کی کجی ہوتی ہے کیونکہ

ایسے لوگوں کی پرورش و پرداخت ایسے حالات اور ماحول میں ہوتی ہے جس میں وہ اپنے علاوہ دوسروں کو امن و چین سے زندگی گزارتے دیکھنا نہیں چاہتے۔ ان افراد اور گروہوں کو جب' جہاں اور جیسا موقع ملتا ہے اپنی فطرت کے مطابق دہشت گردی کی کارروائیاں انجام دیتے ہیں۔ فطرت کی یہ کجی کسی عام فرد میں بھی پائی جاسکتی ہے' عوام و خواص کے گروہوں میں بھی پائی جاسکتی ہے اور حکمران طبقے کے افراد میں بھی پائی جاسکتی ہے۔

دہشت گردی کے وجود میں آنے کا ایک اہم سبب Suppression یعنی کسی گروہ کو دبا کر رکھنا ہے' اس کی حق تلفی کرنا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس گروہ کا ردعمل زیادہ شدید ہو کر دہشت گردی کی حد میں داخل ہو سکتا ہے۔ عصر حاضر کی بعض دہشت گرد تحریکیں اسی Suppression کا نتیجہ ہوتی ہے۔[109]

7۔ احساس محرومی:

دہشت گردی کا ایک اہم سبب بعض افراد یا گروہوں میں اس طرح کے احساس محرومی کا پیدا ہو جانا ہے جو انہیں دہشت گردی پر آمادہ کر دے۔ دہشت گردی کبھی اپنی بالادستی قائم رکھنے کے مقصد سے بھی وجود میں آتی ہے تاکہ کوئی اسے کبھی چیلنج کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ ریاستی دہشت گردی کے پیچھے بالعموم یہی سبب کارفرما ہوتا ہے۔[110]

8۔ علماء کی مخالفت:

دہشت گردی کے پیچھے جو عوامل کارفرما ہیں' ان میں سے ایک علماء کی مخالفت بھی ہے۔ یہودی جو پوری دنیا میں اپنے وثائق کے ذریعے طے شدہ نظام کو امریکی نیو ورلڈ آرڈر کی صورت میں نافذ کرنا چاہتا ہے اور دنیا سے اسلام کو' مسلمانوں کو نابود کرنا چاہتا ہے ان کے ان ارادوں کو علماء کرام سمجھتے ہیں اور اس وقت یہی علماء دنیا کو ان (یہودیوں) کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کر رہے ہیں اور ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں چونکہ یہ لوگ اس عمل کو ناپسند کرتے ہیں اس لئے علماء کو سزا دینا چاہتے ہیں کہ یہ ہمارے ارادوں کے سامنے کیوں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے علماء کے وجود کو ختم کرنے اور دینی مدارس کو نقصان پہنچانے کے لئے وہ این۔ جی۔ اوز' لسانی قوم پرست تنظیموں اور فرقہ واریت پھیلانے والی فرقہ پرست تنظیموں کو استعمال

کر رہے ہیں یوں علماء کو ختم کرنے کی غرض سے دہشت گردیاں ہوتی رہتی ہیں۔[111]

ان اسباب کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ دہشت گردی کمزور اقوام پر کی جاتی ہے اور طاقتور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اسے استعمال کرتے ہیں۔

دہشت گردی کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد ہر ذی شعور انسان یہ سوچتا ہے کہ مسلمانوں اور پوری اُمت مسلمہ کو کس لئے دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے؟ جبکہ اسلامی تعلیمات، مسلم معاشرتی قدریں اور انسانی جذبے دہشت گردی کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ نیز مسلمان کو یہ تعلیم دی گئی: **احب للناس ما تحب لنفسک** کہ "اپنی ذات کے لئے جو کچھ پسند کرتے ہو وہی دوسرے انسانوں کے لئے بھی پسند کرو۔" اور یہ بھی حکم دیا گیا:

اعدلوا هو اقرب للتقوى. (المائدۃ 2:5)

"وہ ہر کام میں انصاف سے کام لیں یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔"

اور اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ مادی وسائل اہل ثروت سے لے کر معاشرے کے پسماندہ طبقوں تک منتقل کرتا رہتا ہے اور اپنے مزاج اور احکام کی رو سے وہ انسانیت کا دین ہے اور اس کے احکام کا بڑا محور یہ ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو فساد اور زیادتی سے منع کرتا ہے اس لئے مسلمان اپنی طبیعت اور اپنے دین کی نوعیت کے اعتبار سے مجموعی طور پر دہشت گردی کے مرتکب نہیں ہو سکتے اور نہ ہی دہشت گردی کی سرپرستی کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ طویل تاریخ انسانوں کے سامنے ہے کہ وہ دنیا کے جس خطے میں بھی آباد ہوئے، انہوں نے وہاں کے باشندوں سے حسن سلوک کیا۔ انہیں تعلیم، معیشت اور سیاست میں شریک کیا۔ ریاستی امور میں ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا اور فاتح و مفتوح میں کوئی فرق روا نہ رکھا۔ جہاں مسلمان بطور اقلیت آباد ہوئے وہاں بھی انہوں نے عمدہ معاشرہ تشکیل دیا، ریاستی قوانین کی پابندی کی اور دیگر باشندوں کو فوائد پہنچائے اور ان کے لئے مشکلات کو جنم نہیں دیا۔ ان سب حقائق کے باوجود مسلمانوں اور خاص طور سے پوری اُمت مسلمہ کو کیوں دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے کہ مغربی پریس، الیکٹرونک میڈیا، خفیہ ادارے مزید برآں مغربی مفکرین بھی حقائق سے آنکھیں موندھ کر مسلمانوں کو دہشت گرد بنانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سازش

کے پیچھے کیا کیا عوامل کارفرما ہیں؟ ہم اس تفصیل میں نہیں جا سکتے تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ یہ اہل مغرب کی اپنی پھیلائی ہوئی وباء ہے جسے وہ مسلمانوں کے دامن میں ڈال کر اپنی کرتوتوں اور کارستانیوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ چند حقائق ملاحظہ فرمایئے جو اہل مغرب کی فساد پروری کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

1- بیسویں صدی کے نصف اوّل میں مغربی دہشت گردی کا اظہار اس طرح ہوا کہ اسلامی ریاستوں کو قومیت (نیشنلزم) کے نام پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ جب چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کو کمزور پایا تو انہیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سے لڑایا اور عالمی دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہوئے ان کی حفاظت کے بہانے سے پہلے ان کے وسائل پر اور آخرکار ان کے علاقوں پر قبضہ جما لیا جس کی تازہ مثال عراق کویت جنگ ہے جس کے نتیجہ میں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کویت' قطر' سعودی عرب اور بحرین میں مقیم ہیں اور اب یہ نیا استعمار تہذیبی اور ثقافتی یلغار سے نئی دہشت گردی میں مصروف ہے اور مسلمانوں کو بین الاقوامیت کا جھانسا دے کر اسلامی تہذیب کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

2- 3 فروری 1972ء کو نائیجیریا کے حکمران مرتلا محمد کو قتل کر دیا گیا۔ بریگیڈیئر مرتلا محمد کو قومی مفادات عزیز تھے اور وہ امریکہ کے دوست نہ تھے۔ امریکہ کو اندیشہ تھا کہ آئندہ مرتلا محمد کی قیادت میں نائیجیریا تیل کے بائیکاٹ میں شریک ہوگا اس لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔[112]

3- حالیہ سالوں میں مغربی افواج اور ان کے یورپی اتحادیوں نے بوسنیا میں جو خون کی ہولی کھیلی اور نہتے مسلمانوں اور پُرامن شہریوں کو جس بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتارا' اس کی مثال انسانی تاریخ میں شاید ہی ملے۔ اس سلسلے میں معروف مغربی صحافی جان سوین کہتے ہیں: ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ لندن سے ڈھائی گھنٹے کے فاصلے پر قلب یورپ میں نازیوں کو مات کر دینے والے نسل کشی کے ہولناک مظالم کی رپورٹنگ کرنا پڑے گی۔''[113]

4- اپریل 1996ء میں چیچنیا کے مردآہن اور آزادی کے ہیرو جوہر داؤد کو شہید کر دیا

گیا۔ جوہر داؤد کی شہادت احیائے اسلام کے خطرے سے نپٹنے کے لئے روس اور امریکہ کی متحدہ کوششوں اور سازشوں کا علامتی اظہار تھی۔ باوثوق ذرائع کی اطلاع کے مطابق چیچن جدوجہد آزادی کے اس عظیم رہنما کو منظر سے ہٹانے کا فیصلہ صدر کلنٹن اور صدر ریلسن کی گزشتہ دن ٹو دن ملاقات میں ہوا۔ (114)

5- اسرائیل نے مشرق وسطیٰ میں دہشت گردی اور خون ریزی کا گھناؤنا کاروبار شروع کر رکھا ہے جو بدترین انسانی المیہ ہے۔ پروٹیریا بدترین دہشت گردی کا اپنائے ہوئے ہے۔ وہ کالے مقامی باشندوں کو دہشت زدہ بھی کرتا ہے' ہمسایہ افریقی ممالک میں بھی خوف و ہراس پیدا کرتا ہے اور انگولا میں برسر پیکار دہشت گردوں کو اڈے' ہتھیار' تربیتی سہولتیں اور مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ اس کے باوجود وہ امریکہ کی نظر میں معتبر ہے۔ (115)

6- امریکی دہشت گردی کا سب سے خطرناک پہلو حالیہ دنوں میں سامنے آیا کہ ماضی میں تو وہ سی آئی اے کے ذریعے قتل و غارت کراتا اور حکومتوں کے تختے الٹتا تھا لیکن اب خلیج کی جنگ سے اس نے کھلی ننگی جارحیت اختیار کر لی...... امریکہ ہی وہ ملک ہے جس نے دنیا بھر میں کرائے کے قاتلوں (Mercenaries) کا نظام روشناس کرایا۔ آج لوگ کرائے کے کسی قاتل کی خدمات حاصل کرکے اپنے کسی بھی حریف کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔ (116)

یہ چند حقائق آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں کہ جو غیر مسلم طاقتیں اُمت مسلمہ کو ہر قیمت پر دہشت گرد قرار دینے کے لئے دن رات سازش میں مصروف ہیں' ان کا اپنا کردار دہشت گردی کے حوالے سے کیا ہے؟ ان حقائق سے ہماری اس رائے کو بھی تقویت ملتی ہے کہ غیر مسلم اپنی دہشت گرد سرگرمیوں کو چھپانے کے لئے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں کیونکہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد وہ مسلمانوں کو اپنا حقیقی حریف تصور کرتے ہیں اور اسی لئے انہیں دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔

ان تمام حقائق سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر طرح کے ظلم و جبر استبداد اور دہشت گردی سے روکتا ہے اور جو شخص کسی بھی وجہ سے دہشت

گردی میں ملوث ہوتا ہے' وہ اس کا انفرادی فعل ہے جیسے وہ دوسرے بہت سے بُرے کام کرتا ہے اس لئے کسی بھی فرد کی ذاتی دہشت گردی یا فساد کو پوری اُمت کا فعل قرار دینا قانونی' اخلاقی اور تہذیبی ہر لحاظ سے درست نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اُمت مسلمہ ایک پُرامن ادارہ ہے جو خود بھی پُرامن حالات میں زندہ رہنے کا متمنی ہے اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے کا حق دیتا ہے۔ اگر ہمیں کہیں تشدد یا دہشت گردی کی کوئی شکل دکھائی دیتی ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے امریکی سلامتی کے ادارے کی محقق جوسی دافیس رقمطراز ہیں:

> ''اسلامی تنظیمیں اس وقت تشدد پسندی کی راہ پر چل نکلتی ہیں جب ان پر پُرامن سیاسی ماحول میں کام کرنے کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر یہ قوت کے ذریعے حکومتیں جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کرتی ہیں۔''

اسی امر کی وضاحت دہشت گردی کے انسداد کی امریکی رپورٹ میں بھی کی گئی ہے کہ اس رپورٹ میں جن تنظیموں کا ذکر ہے اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اس تنظیم کے تمام ارکان دہشت گرد ہیں بلکہ ان تنظیموں کے چند افراد ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہوئے ہیں وہی چھوٹا سا گروہ اس رپورٹ کا موضوع ہے۔(117)

یہ غیر مسلم محققین کی ان آراء سے بھی ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے کہ مسلمان ملت اسلامیہ کی حیثیت سے دہشت گرد نہیں ہیں' مذہبی جنونیوں کا چھوٹا سا گروہ ایسی غیر انسانی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ یہ گروہ بھی انسانی بربادی کا حصہ ہے اس لئے اس کے افراد کو موردِ الزام ٹھہرانے کی بجائے ان کی اصلاح کی جائے تاکہ یہ افراد بھی انتقام کی دنیا سے نکل کر مہذب انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں' اس روئے زمین سے دہشت گردی ختم ہو اور انسان پُرسکون زندگی بسر کرے۔

لائحہ عمل ـــ دہشت گردی کا علاج بذریعہ جہاد

جہاد کا لغوی معنی:

جہاد کا لفظ جہد سے مشتق ہے جہد فتح (زبر) کے ساتھ معنی وسعت اور جھد رفع (پیش) کے ساتھ مشقت میں مستعمل ہوا ہے۔ ان دونوں مادہ ہائے اشتقاق کی روشنی میں جہاد کا مفہوم ہوگا کہ وہ امر خیر جس میں انتہائی طاقت اور وسعت صرف کی جائے اور ہر قسم کی تکلیف و مشقت برداشت کی جائے۔ علاوہ ازیں علماء نے یوں بھی تعریف کی ہے:

الجهاد والمجاهدة استفراغ الوسع فی مدافعة العدو و وهو ما يعبر عنه بالحرب فی العرف الحديث والحرب هی القتال المسلح بين الدولتين فاكثر. (118)

"جہد" کے تمام مشتقات (صیغوں) میں بنیادی طور پر لغوی معنی کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود رہے گا مثلاً اگر "جہد" سے جہاد بنایا جائے گا تو اس وقت اس صیغہ میں دو طرفہ کوشش کا معنی بالخصوص ملحوظ خاطر رکھا جائے گا اور اگر اس سے لفظ اجتہاد بنایا جائے تو پھر اس میں انتہائی ذہنی کوشش کا مفہوم ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

جہاد کی شرعی تعریف:

اصطلاح میں جہاد اس محنت و کوشش اور سعی بلیغ کا نام ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ یعنی دین کی سربلندی کے لئے کی جاتی ہے خواہ یہ کوشش انفرادی ہو یا اجتماعی، زبانی ہو یا قلمی، مالی ہو یا جانی لیکن بہرحال اس انتہائی جدوجہد اور کمال درجہ کی محنت و کوشش میں نصب العین غلبہ دین ہونا چاہئے ورنہ اس کوشش کو شریعت کی نظر میں جہاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جہاد سے مراد **لتكون كلمة الله هی العليا هو الجهاد فی سبيل الله.** (119)

مذکورہ تعریف اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ لفظ جہاد ایک خاص اصطلاح ہونے کے ساتھ ایک ایسے وسیع مفہوم کا حامل ہے جس میں غلبہ دین کے لئے کی جانے

والی زبانی' مالی' جانی' انفرادی اور اجتماعی ہر طرح کی محنت و کوشش شامل ہے لیکن اسے مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک ہی صورت کے ساتھ مختص کر لینا اس طرح غلط ہے جس طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے علاوہ ہر طرح کی اچھی جدوجہد کو ''جہاد'' کا نام دینا غلط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں جانی جدوجہد قتال' عموی طور پر دیگر تمام قسموں سے افضل ہے۔

اس لئے قرآن وسنت میں اکثر و بیشتر غلبہ دین جانی طور پر کی جانے والی سعی بلیغ کو لفظ جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کثرت استعمال کی وجہ سے بہت سے علماء' فقہاء' محدثین ومفسرین رحمہم اللہ نے جہاد بمعنی قتال کے ساتھ اس کی اصطلاحی تعریف کی ہے۔ مثلاً فقہاء احناف کے ہاں جہاد کی تعریف یہ ہے:

''ھو الدعاء الی الدین الحق و قتال من لم یقبل بالمال والنفس.''[120]

فقہائے شافعیہ کے نزدیک:

''ھو قتال الکفار لنصرۃ الاسلام.''[121]

اسی طرح فقہائے مالکیہ اور حنابلہ و اہل ظاہر کے نزدیک بھی جہاد کی اصطلاحی تعریف مذکورہ تعریف سے کچھ مختلف نہیں۔ اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ فقہاء کا جہاد کی اصطلاحی تعریف کو کفار کے خلاف قتال تک محدود کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں کثرت کے ساتھ جہاد بمعنی قتال استعمال ہوا ہے اور فقہاء کرام کسی چیز کی کثرت استعمال کے پیش نظر اس پر کوئی حکم لگاتے ہیں اور لفظ ''جہاد'' بھی اس کی ایک مثال ہے کہ اس کے قتال کے معنی میں بکثرت استعمال نے اسے قتال تک محدود کر دیا اگرچہ لفظ جہاد کا مفہوم وسیع ہے جیسے علامہ ابن تیمیہ' ابن حجر اور ابن القیم رحمہم اللہ کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کی ہر وہ محنت و کوشش جو کسی نہ کسی پہلو سے غلبہ دین کے لئے ہو' جہاد کہلاتی ہے۔[122]

مقاصد جہاد

1- حقوق کا دفاع:

عزت و مال و جان' اہل و عیال' گھر (علاقہ و وطن) کا تحفظ ہر انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ دنیا کا کوئی قانون یا اخلاقی ضابطہ کسی فرد یا جماعت کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ کسی کے ان بنیادی حقوق کو پامال کرے۔

اسلام حقوق انسانی کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس لئے اسلام نے ان حقوق کے دفاع کو نہ صرف جائز کہا ہے بلکہ فرض قرار دیا ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا. (البقرۃ 2:190)

اگر کوئی شخص ان امور کو بجا لاتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید کہلائے گا۔ حدیث پاک ہے:

من قتل دون مالہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ فھو شھید ومن قتل دون دمہ فھو شھید ومن قتل دون اھلہ فھو شھید. (123)

2- ظلم کا بدلہ:

دفاع ظلم کرنا اسلامی تعلیم کا حصہ ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر. (الحج 40:39)

یاد رہے کہ انسانی فطرت سلیمہ کی بھی ظلم کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت کے ترجمان (اسلام) نے ظلم کی کسی صورت کو بھی ناجائز قرار دیا اور ظلم کو دور کرنے کا حکم دیا:

واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم.

(البقرۃ 2:191)

اس آیت کریمہ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جس طرح کفار مکہ نے تمہیں مکہ سے نکالا تم بھی انہیں مکہ سے نکال باہر کرو۔ اسی آیت کی روشنی میں فتح مکہ کے بعد نبی

پاک ﷺ نے غیر مسلموں کو مکہ سے نکال دیا۔ مزید دیکھئے: البقرۃ 246:2۔

4۔ مظلوموں کی مدد:

اور اگر کہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو صاحب استطاعت مسلمانوں پر ان کی مدد کرنا اور انہیں ظالموں کے ظلم سے نجات دلانا فرض ہے جس کے لئے جہاد کیا جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیءٍ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علٰی قوم بینکم وبینھم میثاق. (الانفال 73:8)

مزید ملاحظہ ہو:

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ. (النساء 75:4)

یآیھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلٰی. (البقرۃ 178:2)

مظلوموں کی مدد کے حوالہ سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر کسی خطہ میں غیر مسلموں پر ظلم ہو تو مسلمانوں پر بقدر استطاعت یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی مدد کریں کیونکہ اسلام ظلم کی کوئی صورت برداشت نہیں کرتا خواہ مسلمانوں پر ہو رہا ہو یا غیر مسلموں پر۔

5۔ اعلائے کلمتہ اللہ یا غلبہ دین:

ابن کثیر فرماتے ہیں' اللہ کا فرمان ہے:

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہٗ للہ. (الانفال 39:8)

وقاتلوھم.......... الآیۃ (البقرۃ 193:2) "ای یکون دین اللہ ھو الظاھر العالی علی سائر الادیان."[124]

حدیث مبارکہ ہے:

امرت ان اقاتل الناس حتٰی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ.

مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے لڑتا رہوں یہاں تک وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا

کریں لہٰذا جب لوگ ایسا کریں گے تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام کا حق ہے اور ان کا اخروی حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

اس حدیث کے مصداق حضرت ربعی بن عامر صحابیؓ نے رستم کو مقصد جہاد بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

واللہ جاء بنا لنخرج العباد من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ.

"لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی کی طرف بلاتے ہیں۔"

6- فتنہ فساد کی سرکوبی:

قرآن مجید نے فتنہ و فساد کا خاتمہ بھی جہاد کے اغراض و مقاصد میں شامل قرار دیا ہے:

وقتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ. (البقرۃ 193:2)

فتنہ سے مراد وہ مزاحمت اور قوت ہے جو تبلیغ و اشاعت اسلام کی راہ میں آڑے آئے جس سے اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام صرف مدافعانہ جنگ کا قائل نہیں بلکہ اسلام کی اشاعت میں جو قوت رکاوٹ بنے اس سے جارحانہ جنگ کرنا ضروری ہے تا آنکہ ایسی رکاوٹیں ختم ہو جائیں اور اللہ کا دین غالب ہو البتہ جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز آئیں اور جزیہ دینا قبول کر لیں' ان پر ہاتھ نہ اُٹھانا چاہئے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنے عقیدہ دین یا مذہب سے مجبور ہو کر اسلام قبول کر لیں کیونکہ اسلام قبول کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ (125)

7- داخلی امن و استحکام:

دشمن معاشروں' قوموں اور ملکوں کو اندرونی سازشوں اور تخریب کاریوں کا شکار بنا کر انہیں کمزور کرنے اور مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کو ہمیشہ سے ایک کارگر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس صورت پر قابو پانے کے لئے بعض شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ داخلی طور پر بھی جہاد کو مشروع قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

انما جزآء الذین یحاربون اللہ و رسولہٗ ویسعون فی الارض فسادًا

یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلافٍ او ینفوا من الارض ط ذلک لھم خزیٌ فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذابٌ عظیمٌ o الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم ج فاعلموا ان اللہ غفورٌ رحیمٌ. (المائدۃ 5:33-34)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کے لئے دوڑتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کا ہاتھ اور ایک مخالف پاؤں کاٹ دیا جائے یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔''

داخلی امن و امان اور استحکام مملکت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے وہ اقدامات نہایت اہمیت کے حامل ہیں جو بعض مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف آپ نے کئے۔

اس واقعہ کے اندر محض ڈکیتی کی ہی واردات نہیں بلکہ مکر و فریب سے لوٹ مار، قتل اور ارتداد بھی شامل ہے اور یہ سب کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ اور فساد فی الارض کے ضمن میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کے خلاف پروپیگنڈا مجرمانہ سازشیں، اسلامی حکومت سے غداری، بغاوت یہ سب کچھ اللہ اور رسول خدا ﷺ سے جنگ اور فساد فی الارض کے ضمن میں آ سکتے ہیں۔ (126)

8- عہد شکنی کی سزا:

اگر کوئی قوم مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے اپنے کسی معاہدے کی واضح طور پر خلاف ورزی کرے تو اس عہد شکنی کے جرم میں اس کے ساتھ جہاد کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم و طعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر لا انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون o آلا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدء وکم اول مرۃ ط اتخشونھم ج فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین. (التوبہ 9:10-14)

''اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں کے ساتھ جنگ کرو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ بے

شک ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول ﷺ کو جلاوطن کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم سے چھیڑ چھاڑ پہلے شروع کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو۔"

مزید دیکھئے: الانفال 8: 55 تا 58

جب ہم مقاصد جہاد پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مقاصد کے اندر کہیں بھی دہشت گردی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ امن و سلامتی اور مجرموں کی سرکوبی ہی مقاصد جہاد میں شامل ہیں۔

کیا جہاد دہشت گردی ہے؟

قتال کے سلسلے میں نبی پاک ﷺ کی جو ہدایات ہیں' وہ انسانی تاریخ میں منفرد اہمیت کی حامل ہیں۔ جہاد کے ادارہ کے خلاف جو مہم چلائی جا رہی ہے اور اسے جس طرح دہشت گردی کے مترادف قرار دیا جا رہا ہے' وہ سراسر بدنیتی اور تعصب پر مبنی ہے۔ دشمنوں نے مجاہدین کے لئے جہادی کا تحقیری لفظ استعمال کیا اور ہمارے دانشور بھی دشمنوں کی اطاعت میں جہاد کی بجائے جہادی کلچر اور مجاہد کے بجائے جہادی کی اصطلاحیں استعمال کر رہے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے جو ہدایات (قتال و جہاد کے لئے دیں) ان کی تفصیلات یوں ہیں:

غیر اہل قتال کو نقصان پہنچانے سے منع کیا۔ نبی پاک ﷺ نے اہل قتال اور غیر اہل قتال کا فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ غیر اہل قتال کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ عورتوں' بچوں' بوڑھوں' بیمار' گوشہ نشین' زاہد' معبدوں اور مندروں کے مجاور اور پجاری وغیرہ کو قتل نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

الا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلاً صغیرا ولا امرأة ولا تغلوا وضُموا غنائمکم و اصلحوا وأحسنوا ان اللہ یحب المحسنین.(127)

"اللہ کے نام پر اور اللہ کی توفیق سے رسول اللہ ﷺ کی ملت پر چلو اور کسی بوڑھے کو قتل نہ کرو' نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو' اموال غنیمت میں چوری نہ کرو' جنگ میں جو

کچھ ہاتھ آ جائے سب کو ایک جگہ جمع کر دؤ نیکی اور احسان کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔"

اسی طرح:

نهى رسول الله ﷺ قتل النسآء والصبيان.[128]

اہل قتال کے حقوق:

اسلام نے اہل قتال کے بارے میں بھی کچھ آداب وحقوق مقرر کئے ہیں' ان کی تفصیلات یوں ہیں:

1- غفلت میں حملہ کرنے کی ممانعت' اہل عرب عموماً شب خون مارتے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس عادت کو بند کر دیا اور صبح سے پہلے حملہ کرنے کی ممانعت کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كان اذا جاء قوما بليل لم يغر عليهم حتى يصبح.[129]

"رات کی بجائے صبح کے وقت جہاد شروع کرتے۔"

2- آگ میں جلانے کی ممانعت: حدیث پاک میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

لا ينبغي ان يعذب بالنار الا رب النار.

"آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے اور کسی کو سزاوار نہیں۔"

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو حکم دیا کہ فلاں دو آدمی ملیں تو ان کو جلا دینا لیکن جب ہم (جہاد) کے لئے روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان امرتكم ان تحرقوا فلانا و فلانا وان النار لا يعذب بها الا الله فان وجدتموهما فاقتلوهما.[130]

"میں نے حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں اشخاص کو جلا دینا مگر آگ کا عذاب سوائے اللہ کے کوئی نہیں دے سکتا اس لئے اگر تم ان کو پاؤ تو قتل کر دینا۔"

3- قتل صبر کی ممانعت: حضرت ابوایوب انصاریؓ روایت کرتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ نهى عن قتل الصبر۔[131]

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے قتل صبر (باندھ کر مارنے) سے منع فرمایا۔"

لوٹ مار کی حرمت:

جنگ خیبر میں صلح ہونے کے بعد بعض نوجوانوں نے لوٹ مار شروع کی تو یہودیوں کے سردار نے اس بات کی شکایت کی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

لا یحل لکم ان تدخلوا بیوت اهل الکتاب الا باذن اهله ولا ضرب نساء هم ولا اکل اثمارهم اذا اعطوکم الذی علیهم۔[132]

"اللہ نے تمہارے لئے یہ جائز نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ اور ان کی عورتوں کو مارو پیٹو اور ان کے پھل کھا جاؤ حالانکہ ان پر جو کچھ واجب تھا وہ دے چکے۔"

ایک دفعہ سفر جہاد میں اہل لشکر نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا تو آنحضرت ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے دیگچیاں الٹ دینے کا حکم دیا اور فرمایا:

ان النهبة لیست باحل من المیتة۔[133]

"صرف غیروں کا مال انتہاء کی مجبوری میں استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔"

تباہ کاری کی ممانعت:

افواج کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو خراب کرنا' کھیتوں کو تباہ کرنا' بستیوں میں قتل عام اور آتش زنی کرنا' اسلامی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل والله لا یحب الفساد۔ (البقرة 205:2)

اسلام نے صرف خصوصی حالات میں ضرورت کے تحت درختوں کو کاٹنے اور

جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت دی ہے یعنی ان امور میں کوئی مصلحت ہو۔

مثلہ کی ممانعت:

دشمن کی لاشوں کو بے حرمت کرنا اور ان کے اعضاء کو قطع و برید کرنے کو بھی اسلام نے سختی سے منع کیا۔ عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

نھی النبی ﷺ من النھبی والمثلة. (134)

مجاہدین کو روانگی سے پہلے آپ ﷺ نے نصیحت کر کے فرمایا:

لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا. (135)

"بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو۔"

قتل اسیر کی ممانعت:

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اعلان فرمایا:

ولا تجھزن علی جریح، ولا یتبعن مدبر، ولا یقتلن اسیر و من اغلق بابه فھو أمن. (136)

"کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے وہ امان میں ہے۔"

حجاج بن یوسف نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کسی قیدی کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا:

ما امرنا بھذا یقول اللہ تعالیٰ "حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فدآء." (محمد 4:47)

"قیدی کو مقید رکھو یا احسان کر کے رہا کرو یا اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔"

قتل سفیر کی ممانعت:

سفراء اور قاصدوں کے قتل کو بھی نبی الرحمت والامن ﷺ نے منع فرمایا۔ مسیلمہ کذاب کی طرف سے دو آدمی (قاصد) گستاخانہ پیغام لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اما واللہ لو لا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما۔ (137)

''اگر قاصدوں کو قتل کرنا ممنوع نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔''

یہ ثابت ہوا کہ جب اسلامی ممالکت ہو کوئی سفیر داخل ہو تو اس کو ہر قسم کی ضمانت مل جائے گی اس کی جان' مال و متاع کی حفاظت ہو گی۔

بدعہدی کی ممانعت:

نقض عہد اور معاہدین پر دست درازی کرنے کی مذمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من قتل معاھدا لم یرح رائحۃ الجنۃ۔ (138)

''جو کسی معاہد کو قتل کرے گا' اس کو جنت کی بو تک نصیب نہ ہو گی۔''

ایک اور حدیث میں چار خصلتوں کو نفاق کی علامت قرار دیا ان میں سے ایک ''اذا عاھد غدر'' بھی ہے یعنی جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔

لکل غادر لواء یوم القیمۃ یرفع لہ بقدر غدرۃ' الا و لا غادر اعظم غدرا من امیر عامۃ۔ (139)

''ہر غادر اور بدعہدی کرنے والے کے لئے قیامت کے روز اعلان کرنے کے لئے ایک جھنڈا ہو گا اس کی بدعہدی کے مطابق گاڑھ دیا جائے گا۔ یاد رکھو سردار قوم غدر (خیانت) کرے اس سے بڑا غدار کوئی نہ ہو گا۔''

بدنظمی اور انتشار کی ممانعت:

عرب لوگ جب دور جاہلیت میں جنگ کے لئے نکلتے تو بدنظمی کا شکار ہوتے' راستوں کو تنگ کرتے اور آبادیوں کو پریشان کرتے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کو اس بات کی شکایت پہنچی کہ مجاہدین میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے' منزل کو تنگ کر رکھا ہے تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

من ضیق منزلاً او قطع طریقا فلا جھادلہ۔ (140)

''جو کوئی منزل کو تنگ کرے گا اور راہ گیروں کو لوٹے گا اس کا جہاد نہیں ہو گا۔''

شور و ہنگامہ کی ممانعت:

عرب لوگ جنگ میں اتنا شور کرتے تھے کہ جس کی وجہ سے جنگ کا نام ''وغی'' پڑ گیا تھا۔ اسلام نے اس بات سے منع کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

''کنا مع رسول اللہ ﷺ فلما اذا شرفنا علی واد ھللنا و کرنا وارتفعت اصواتنا فقال النبی ﷺ اربعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائب انه معکم انه سمیع قریب.''(141)

وحشیانہ افعال کے خلاف عام ہدایت:

دور جاہلیت کے برعکس نبی مکرم ﷺ جب جہاد کے لئے مجاہدین کو روانہ کرتے تو فرماتے:

''اغزوا باسم اللہ و فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ اغزوا ولا تغدوا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا.''(142)

خلیفہ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف فوجیں روانہ کیں تو ان کو درج ذیل دس ہدائتیں دی تھیں جن کو مؤرخین' محدثین نے نقل کیا ہے:(143)

1- عورتیں' بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں۔
2- مثلہ نہ کیا جائے۔
3- راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معابد مسمار کئے جائیں۔
4- کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔
5- آبادیاں نہ ویران کی جائیں۔
6- جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔
7- بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔
8- جو لوگ اطاعت کریں تو ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔
9- اموال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔
10- جنگ (جہاد) میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

ان احکام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جنگ (جہاد) کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو اس عہد میں جنگ کا ایک غیر منفک جزو بنے ہوئے تھے۔ اسیران جنگ اور سفیر کا قتل' معابدین کا قتل' مجروحین جنگ کا قتل' غیر اہل قتال کا قتل' اعضاء کی قطع و برید' مُردوں کی بے حرمتی' آگ کا عذاب' لوٹ مار اور قطع طریق' فصلوں' بستیوں کی تخریب' بدعہدی و پیمان شکنی' فوجوں کی پراگندگی و بدنظمی' لڑائی کا شور و ہنگامہ سب کچھ آئین جنگ کے خلاف قرار دیا گیا اور جنگ صرف ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔

اس اصلاحی تعلیم نے دو سال کی قلیل مدت میں جو عظیم الشان نتائج پیدا کئے' ان کا بہترین نتیجہ فتح مکہ ہے اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے' ہر طرف امن و امان کا ماحول پیدا ہوا۔

پیغمبر امن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی پالیسی

محسن انسانیت ﷺ کی جنگی پالیسی کا اساسی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عنصر کا خون بہانے کے بجائے اسے بے بس کر دیا جائے تا آنکہ یا تو وہ تعاون کرے یا مزاحمت چھوڑ دے چنانچہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے ابواب کو جن محققین و مفکرین نے ہمارے سامنے بے نقاب کیا ہے' ان میں ارض ہند و پاک کے ایک مایہ ناز فرزند ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہیں۔ موصوف نے سرور عالم ﷺ کی جنگی پالیسی کو یوں بیان کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

"اصل میں آنحضرت ﷺ نے دشمن کو نیست و نابود کرنے کے بجائے مجبور کرنا پسند فرمایا۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کی سیاست قریش کو تباہ و نابود کرنے پر نہیں بلکہ بالکل محفوظ رکھ کر بے بس اور مغلوب کر دینے پر مشتمل تھی۔"

اپنے اس نظریہ کو فاضل محقق نے حضور ﷺ کی اختیار کردہ تدابیر کی تفصیل دے کر اور سلسلۂ واقعات پر تبصرہ کر کے بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے۔

دراصل پیغمبر امن ﷺ کو اگرچہ چار و ناچار میدان کارزار میں اُترنا پڑا کیونکہ شہادت گہ اُلفت کے باہر باہر سے کوئی راہ نصب العین کی طرف نہ جاتی تھی لیکن آپ ﷺ زمین کے ٹکڑوں کے بجائے روحوں کو فتح کرنا چاہتے تھے' آپ ﷺ تلوار کے زور سے بدنوں کو مطیع بنانے کے بجائے دلیل سے دماغوں کو اور اخلاق سے دلوں کو مسخر کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کا اصل معرکہ رائے عام کے میدان میں تھا اور اس میدان میں حریفوں نے زک اُٹھائی اور تیزی سے بازی ہارتے چلے گئے۔ جنگی کارروائی اس تصادم کا بہت چھوٹا جزء ہے جو پیغمبر امن ﷺ کو اَمن دشمنوں سے پیش آیا۔

دیکھئے کہ غزوۂ خیبر کی مہم کے دوران میں حضرت علیؓ کو پیغمبر امن ﷺ نے علم خاص عنایت فرماتے ہوئے کیا تاکید کی تھی؟ فرمایا: ''اے علیؓ! اگر تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت ہو گئی تو یہ تمہارے لئے سب سے بڑی نعمت ہو گی۔'' یعنی اصل مقصود دشمن کا جانی نقصان اور خونریزی نہیں ہے بلکہ فوقیت اسی بات کو ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد کے دل و دماغ میں تبدیلی واقع ہو اور وہ نظام امن کو قبول کر لیں۔ یہ نمایاں جنگی انداز ہم نے محض بطور نمونہ پیش کیا ہے ورنہ ایسے شواہد کی کمی نہیں جن سے پیغمبر امن ﷺ کا بنیادی نقطۂ نظر سامنے آ جاتا ہے۔ جنگ جوئی اور خونریزی کرنے والے لوگ مغلوب الغضب اور جلد باز ہوتے ہیں' بخلاف اس کے ہم آپ ﷺ کو ٹھنڈے عزم اور لمبے حوصلے سے آراستہ پاتے ہیں اور آپ ﷺ کی جنگی پالیسی میں قوت کے استعمال کے بجائے حکمت و زیرکی کام کرتی دکھائی دیتی ہے۔ حکمت و زیرکی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ حضور ﷺ مدینہ میں جاتے ہی مختلف عناصر کو جوڑ جاڑ کر اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھ دیتے ہیں' کسی انقلابی نظریئے پر بغیر ایک قطرۂ خون بہائے نظام ریاست کو یوں استوار کر دینے کی مثال ساری تاریخ میں نہ مل سکے گی۔ صحیح معنوں میں غیر خونی (Blood Less) انقلاب ہمیں یہی ایک ملتا ہے جس کی بنیادوں میں انسانی خون کا ایک قطرہ نہ گرا اور جس کی نیو کے پتھروں میں کسی ایک فرزند آدم کا لاشہ شامل نہیں۔ یہ محیر العقول واقعہ خود پیغمبر امن ﷺ کی مخصوص خان کا ترجمان ہے۔

پیغمبر امن ﷺ کی جنگوں میں جانی نقصانات کے اعداد و شمار:

پیغمبر امن ﷺ کی دہ سالہ جنگی کارروائیوں کی یہ خاص نوعیت جانی نقصان یک اعداد و شمار سامنے رکھنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ نے ''کم سے کم خونریزی'' کا اصول سامنے رکھا اور برائے نام حد تک قلیل جانی نقصان کے ساتھ دس لاکھ مربع میل رقبہ کی سلطنت قائم کر دکھائی۔ آپ ﷺ کی جنگی کارروائیوں میں طرفین سے کام آنے والے افراد کی تعداد درج ذیل ہے:

نمبر شمار	نام غزوہ یا سریہ	مسلمانوں کا نقصان (شہید)	دشمن کا نقصان (مقتول)
1-	غزوۂ بدر	22	70
2-	غزوۂ اُحد	70	30
3-	غزوۂ احزاب	6	10
4-	غزوۂ خیبر	18	93
5-	سریہ موتہ	12	نامعلوم
6-	غزوۂ فتح مکہ	2	12
7-	غزوۂ حنین و طائف	6	71
	کل تعداد	136	286

سات غزوات و سرایا میں دونوں طرف سے کام آنے والے افراد کی کل تعداد 422 ہے۔ عام طور پر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے رسول اللہ ﷺ کے غزوات و سرایا کی تعداد 82 لکھی ہے جو کہ درست نہیں۔ غزوات کی تعداد صرف سات ہے البتہ حیات طیبہ کی تمام چھوٹی بڑی کارروائیوں اور نقل و حرکت کی تعداد 82 ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	کارروائیوں کا مقصد	کارروائیوں کی تعداد	شہداء کی تعداد	تعداد مقتولین دشمن
1-	تبلیغ اسلام اور تکمیل معاہدات	5	—	—
2-	بت شکنی کی مہمات	3	—	—
3-	دشمن کی طرف سے ڈاکہ زنی کے بعد مسلمانوں کا تعاقب	10	19	12
4-	ذاتی نوعیت کے واقعات قتل	5	—	5
5-	غلط فہمی کی بناء پر پیش آنے والے تصادم	6	—	127
6-	سرحدوں کی حفاظت کیلئے کی گئی کارروائیاں	38	73	11
7-	دشمن کی طرف سے دھوکا دہی اور بغاوت کے واقعات	8	82	410
8-	جنگیں (غزوات وسرایا)	7	136	286
	کل تعداد	82	310	851

82 کارروائیوں میں دونوں طرف سے کام آنے والے افراد کی کل تعداد 1161

(قاضی سلیمان منصور پوری کی کتاب ''رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم'' اور مولانا صفی الرحمٰن کی ''الرحیق المختوم'' سے لیا گیا ہے۔) پس پیغمبر امن صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی میں پیش آنے والی 82 کارروائیوں میں طرفین سے کام آنے والے تمام افراد کی کل تعداد 1161 ہے۔

82 کارروائیوں میں کام آنے والے افراد کی یہ محیر العقول تعداد اس زمانے کی ہے جس زمانے میں انتقام در انتقام کی شکل میں ہونے والی طویل جنگوں میں لاکھوں انسانوں کی ہلاکت ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔

امن پسند ''مہذبوں'' کی امن پسندی:

آیئے ایک نظر آج کے نام نہاد مہذب' داعیان تہذیب اور امن پسند یورپ کی رزم آرائیوں پر ڈالیں اور دیکھیں کہ کس کی تلوار عالم انسانیت کی دشمن ہے؟ اور کون انسانیت کا دشمن ہے؟

1- 30 سالہ جنگ (1618ء تا 1648ء) اس میں جرمنی' فرانس' آسٹریا' سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا' اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ آدمی مارے گئے۔ (رسول رحمت' ابوالکلام آزاد' ص 783)

2- 1857ء کی جنگ آزادیٔ ہند میں انگریزوں نے 27 ہزار مسلمانوں کو پھانسی دی اور اس کے علاوہ سات دن تک برابر قتل عام ہوتا رہا جس کا کوئی حساب و شمار نہیں۔ (تاریخ ندوۃ العلماء' از محمد جلیس 4/1)

3- امریکہ خانہ جنگی (1861ء تا 1865ء) تک جاری رہی' اس میں 8 لاکھ افراد مارے گئے' چوہتر کروڑ پونڈ خرچ ہوئے۔ (رسول رحمت' 784)

4- 1907ء کی ہیگ کانفرنس میں غیر مقاتلین کو تحفظ دینے کا معاہدہ ہوا لیکن اس معاہدے کے بعد جب متحدہ ریاست بلقان اور ترکی کے درمیان جنگ ہوئی تو اس میں دو لاکھ چالیس ہزار غیر مقاتلین مسلمان تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ (الجہاد فی الاسلام' مودودی' ص 571)

5- جنگ عظیم اوّل (1914ء تا 1918ء) میں مجموعی طور پر 75 لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور ایک کھرب 86 ارب ڈالر کے وسائل حیات نذر آتش کیے گئے۔ (جہانگیر انسائیکلوپیڈیا آف جنرل نالج' ص 381)

6- 1918ء میں سوویت یونین نے قازقستان پر قبضہ کیا تو وہاں کی تمام مساجد اور دینی مدارس منہدم کر دیئے۔ علماء اور اساتذہ کو فائرنگ اسکواڈ کے سامنے بھون دیا گیا۔ ان ظالمانہ کارروائیوں میں دس لاکھ قازان مسلمان شہید ہو گئے۔ (اُردو ڈائجسٹ' جولائی 1995ء)

7- جنگ عظیم دوم (1939ء تا 1945ء) میں مجموعی طور پر ساڑھے چار کروڑ انسان

ہلاک ہوئے۔ صرف ایک شہر سٹالن گراڈ میں دس لاکھ افراد لقمہ اجل بنے۔ جرمنی میں ساٹھ لاکھ انسان گیس چیمبروں کے ذریعے ہلاک کئے گئے۔ بیک وقت چار براعظموں یورپ' امریکہ' ایشیا اور افریقہ پر مسلسل چھ برس تک اس منحوس جنگ کے مہیب سائے چھائے رہے۔ چار براعظموں کے انسٹھ ممالک (پچاس اتحادی اور 9 محوری) آپس میں دست وگریبان ہوئے جن میں سے صرف ایک ملک امریکہ کا اس جنگ میں تین کھرب ساٹھ ارب ڈالر کا خرچہ ہوا۔ (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور' جولائی 1995ء)

8- 1945ء میں جدید تہذیب و تمدن کے تین بڑے علمبرداروں (امریکہ کے ٹرومین' برطانیہ کے چرچل اور روس کے سٹالن) نے جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم گرا کر آبادی سے بھرے یہ دونوں شہر صفحہ ہستی سے مٹا دیئے۔ (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور' جولائی 1995ء)

9- 1946ء میں یوگوسلاویہ میں کمیونسٹوں نے 24 ہزار سے زائد مسلمانوں کو تہ تیغ کیا' سترہ ہزار سے زائد مساجد و مدارس مسمار کئے۔ (ماہنامہ مجلہ الدعوۃ لاہور' فروری 1993ء)

10- 1979ء تا 1989ء کے دوران روس نے نے افغانستان میں 15 لاکھ مسلمان شہید کئے۔ (کتاب اشراط الساعۃ' ص 59)

11- اپریل 1992ء تا ستمبر 1992ء صرف چھ ماہ میں بوسنیا میں ڈھائی لاکھ مسلمان شہید کئے گئے' پانچ لاکھ بے گھر کئے گئے' پچاس ہزار عصمت مآب مسلمان خواتین کی آبروریزی کی گئی۔ (ہفت روزہ تکبیر' کراچی' 4 مارچ 1993ء)

12- 1992ء میں اسرائیل نے فلسطین کے شہر صابرہ اور شتیلہ کیمپوں میں پچاس ہزار مسلمان شہید کئے۔ (کتاب اشراط الساعۃ' ص 60)

13- 1992ء کے بعد اب تک بوسنیا' کسووو اور چیچنیا میں پانچ لاکھ مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں۔ (کتاب اشراط الساعۃ' ص 59)

14- 7 اکتوبر 2001ء تا 12 نومبر 2001ء صرف ایک مہینہ پانچ دنوں میں امریکہ نے

افغانستان میں 90 ہزار بے گناہ مسلمان مرد' عورتیں اور بچے شہید کیے (امریکہ کا زوال' ص 43) اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

15- حالیہ عراق کی جنگ میں امریکی جرائم کی فہرست بڑی طویل ہے' قتل و غارت کے واقعات میں ایک محتاط اندازے کے مطابق تین لاکھ افراد آتش و آہن کی نذر ہوئے۔ مزید تفصیل کے لئے محمد صالح مغل کی کتاب ''امریکہ کا زوال'' دیکھئے۔
(ہفت روزہ تکبیر' 26 دسمبر 2001ء)

قارئین کرام! یہ اعداد و شمار وہ ہیں جو محتاط اندازے کے مطابق حیطہ شمار میں لائے جا سکے ہیں اور جو اس کے علاوہ ہیں' ان کی تعداد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اب اقوام مغرب کی مکاری و عیاری قابل داد ہے کہ ایک طرف 82 غزوات و سرایا میں 1161 افراد کے جانی نقصان سے دس لاکھ مربع میل پر سلطنت قائم کرنے والے پیغمبر امن ﷺ تمہارے نزدیک (نعوذ باللہ) خونی پیغمبر ہیں' ان کی تلوار انسانیت کی دشمن ہے' ان کی تعلیمات سے بوئے خون آتی ہے' ان کا لایا ہوا دین قصاب کی دکان ہے اور ان کا دیا ہوا فلسفہ جہاد دہشت گردی اور فساد فی الارض ہے اور دوسری طرف صرف 15 رزم آرائیوں میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں افراد کو بے دریغ قتل کرنے والے دہشت گرد' خونخوار' درندے اور قصاب...... مہذب' امن پسند اور انسانیت کے خیر خواہ ہیں؟

تلک اذاً قسمة ضیزیٰ— اُفٍ لکم ثم اُفٍ لکم!

انسانی حقوق کا تحفظ ـــ امن عالم کا ضامن

دور حاضر میں انسانی حقوق کی بات ایک فیشن کی صورت اختیار کر گئی ہے اور اس کا سبب وہ ظلم و جور ہے جو انسان نے روا رکھا ہے اسی لئے انسان کے بارے میں خود انسان کے درمیان بار بار یہ سوال پیدا ہوتا رہا ہے کہ اس کے بنیادی حقوق کیا ہیں؟ بقول مولانا مودودیؒ:

> ''قانون فطرت نے ایک حیوان کو دوسرے حیوان کے لئے اگر غذا بنایا ہے وہ صرف غذا کی حد تک ہی اس پر دست درازی کرتا ہے' کوئی درندہ ایسا نہیں ہے جو غذائی ضروریات کے بغیر بلاوجہ جانوروں کو ہلاک کرتا ہو۔ انسان ہی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے بے نیاز ہو کر اسی کی دی ہوئی قوتوں سے اپنی ہی جنس پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ ایک اندازہ کے مطابق انسان کے اس کرۂ ارضی پر آنے سے آج تک تمام حیوانات نے اتنے انسانوں کی جان نہیں لی جتنی انسانوں نے صرف دوسری جنگ عظیم میں انسانوں کی جان لی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو دوسرے انسانوں کے بنیادی حقوق کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ خالق انسان ہی نے اس سلسلہ میں انسان کی رہبری کی اور پیغمبروں کی وساطت سے انسانی حقوق کی واقفیت بہم پہنچائی ہے۔''(144)

حق کے عام معنی لازم کے ہیں' واجب اور جائز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد ذمہ داری بھی ہوتی ہے جو کسی اور نسبت سے اس پر عائد ہوتی ہے۔ حقوق و فرائض کا گہرا تعلق ہے۔ اگر ایک کے حقوق ہیں تو دوسرے کے فرائض بن جاتے ہیں۔

دور حاضر میں انسانی حقوق کے شعور کا ارتقاء:

حقوق انسانی کے اسلامی تصور پر گفتگو کرنے سے قبل دور حاضر میں حقوق کے شعوری ارتقائی تاریخ کا سرسری جائزہ لے لیں تو مناسب ہو گا تاکہ انسانی کوششوں کا نقص اور الہامی ہدایت اکمال کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔

1- بنیادی حقوق کی جدوجہد کا اصل آغاز گیارہویں صدی میں برطانیہ میں ہوا جہاں 1037 عیسوی میں شاہ کان ریڈ (Conrad-II) نے ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کئے۔ اس منشور کے بعد پارلیمنٹ نے اپنے اختیارات میں توسیع شروع کر دی۔

1188ء میں شاہ الفانسونہم (Alfonso-ix) سے حبس بے جا کا اصول تسلیم کرا لیا گیا۔ انگلستان میں شہنشاہ جان (King John) نے 1215ء میں جو میگنا کارٹا جاری کیا تھا' وہ دراصل اس کے امراء کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ اس میں زیادہ تر امراء کا ہی مفاد تھا۔ اس کے متعلق ہنری مارش (Henry Marsh) کہتا ہے: ''بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔''(145)

1350ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے میگنا کارٹا کی توثیق کر کے قانونی چارہ جوئی کا قانون پاس کیا جس کے تحت کسی شخص کو عدالتی کارروائی کے بغیر زمین سے بے دخل یا قید نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے سزائے موت بھی نہیں دی جا سکتی تھی۔

1679ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے حبس بے جا کا قانون پاس کر لیا جس سے تمام شہریوں کو تحفظ حاصل ہوا اور 1689ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے قانون حقوق (Bill of Rights) منظور کیا۔ یہ برطانوی دستوری تاریخ کی اہم ترین دستاویز ہے اس قانون پر بہت سے مفکروں نے تبصرہ لکھا۔

2- انقلاب فرانس کے بعد ''منشور حقوق انسانی'' (Declaration of the Rights of Man) ...... 1789ء میں نمودار ہوا جس میں قوم کی حاکمیت' آزادی' مساوات' ملکیت کا تصور' ووٹ کا حق' قانون سازی کا اختیار وغیرہ کا اثبات کیا گیا۔ اس پر امریکی اعلان آزادی بہت اہم واقعہ ہے۔ اس اعلان آزادی کا مسودہ تھامس جیفرسن (Thomas Jefferson) کا تیار شدہ تھا جو انگریزی مفکرین بالخصوص جان لاک کے نظریات پر مبنی تھا۔

1789ء میں فرانس کی قومی اسمبلی نے انسانی حقوق کا منشور منظور کیا۔ 1792ء میں تھامس پین (Thomas Paine) نے ایک کتابچہ بعنوان "The Right of Man"

شائع کیا جو ایک مآخذ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد یورپی ممالک میں بنیادی حقوق کو دساتیر میں شامل کیا گیا۔

حقوق کی ساری بحث کا دارومدار معاہدۂ عمرانی پر ہے۔ یہ ایک موہوم تصور ہے جو فرد اور معاشرے کے تعلق کو واضح کرنے کے لئے سیاسی مفکرین نے پیش کیا۔(146)

معاہدۂ عمرانی پر لکھنے والوں نے واضح طور پر کہا کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ریاستیں اور حکومتیں ارادتاً کسی معاہدے کے ذریعے وجود میں نہیں آئیں بلکہ فطری طور پر ایک خاندان' قبیلہ کی طرح ابتدائی گروہ بندیوں سے بتدریج قائم ہوئی ہیں۔(147)

پروفیسر الیاس کے بقول:

> ''انسان کی پوری سیاسی تاریخ میں ہمیں کوئی ایک واقعہ یا ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں ریاست کی تشکیل کے لئے معاہدہ عمرانی کو استعمال کیا گیا ہو۔''(148)

یہی وجہ ہے کہ مغربی حکومتوں نے جب چاہا' انسانی حقوق کو نظر انداز کر کے ظالمانہ کارروائی جاری رکھیں' دور حاضر میں امریکہ نے بنیادی انسانی حقوق کو کمزور قوموں کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا' انہیں مسلسل دباؤ میں رکھ کر سیاسی و معاشی فوائد حاصل کئے اور جب چاہا اپنے آپ کو بالاتر سمجھ کر ان حقوق کو بے دریغ پامال کیا۔

1940ء میں ایچ- جی ویلز (H. G. Wells) نے اپنی کتاب "New World Order" میں انسانی حقوق کے ایک منشور کو جاری کرنے کی تجویز پیش کی اور 1941ء میں منشور اوقیانوس "Atlantic Charter" پر دستخط ہوئے جس کا مقصد بقول چرچل ''انسانی حقوق کی علمبرداری کے ساتھ جنگ کا خاتمہ تھا۔''

1946ء میں فرانس نے 1798ء کے منشور انسانی کو اپنے دستور میں شامل کر دیا اور اسی سال جاپان نے بھی انسانی حقوق کو دستور میں شامل کیا۔ 1947ء میں اٹلی نے بھی اپنے دستور میں بنیادی انسانی حقوق کو شامل کیا۔

جمہوری فلسفہ کے تحت U.N.O نے بہت سے مثبت اور تحفظاتی حقوق کے متعلق قراردادیں پاس کیں اور بالآخر ''عالمی منشور حقوق انسانی'' منظر عام پر آ گیا جس میں وہ

سارے حقوق سمو دیئے گئے جو مختلف یورپی ممالک کے دساتیر میں تھے۔

اقوام متحدہ نے جس عالمی منشور کا اعلان کیا تھا وہ گویا اس ضمن میں انسانی کوششوں کی معراج ہے۔ یہ منشور تیس (30) دفعات پر مشتمل ہے جس کی تفصیل منشور ہی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس منشور میں جن حقوق اور آزادیوں کا اعلان کیا گیا تھا' انہیں بعد میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک فہرست میں معاشی' سماجی اور ثقافتی حقوق کو یکجا کر دیا گیا اور دوسری فہرست میں شہری اور ریاستی حقوق کو' جنرل اسمبلی نے 1966ء میں ان دو عہد ناموں (Convenants) کی منظوری دی اور رکن ریاستوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ جو ملک رضا کارانہ طور پر ان حقوق کو تسلیم کرتا ہو' ان عہد ناموں پر دستخط کر دے۔

عالمی منشور انسانی حقوق کے مطالعہ اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر انسانوں کی اجتماعی کوششیں بھی اس کے لئے پُر وقار اور آبرومندانہ زندگی کی کوئی ضمانت مہیا نہیں کر سکیں۔ وہ اپنے اپنے ملک میں حکومتوں کے قہرمانی کے سامنے جتنا بے بس اور بے اختیار پہلے تھا' اتنا ہی آج بھی ہے بلکہ حکومتوں کے دائرہ کار اور اس کے اختیارات میں مسلسل وسعت و اضافے نے بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کو بے معنی بنا دیا ہے۔ منشور انسانی حقوق کی حیثیت ایک خوشنما دستاویز سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس میں حقوق کی ایک فہرست تو مرتب کر دی گئی ہے لیکن ان سے کوئی حق بھی اپنے پیچھے قوت نافذہ نہیں رکھتا۔ یہ نہ ریاستوں پر کوئی قانونی پابندی عائد کر کے انہیں بنیادی حقوق سلب کر لینے سے باز رکھنے کا کوئی اہتمام کرتا ہے اور نہ کسی فرد کے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے قانونی چارہ جوئی کا نظام مہیا کرتا ہے۔ اس طرح یہ منشور تحفظ انسانی حقوق کے معاملہ میں بالکل ناکارہ اور ناقابل اعتماد دستاویز ہے اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس اتنا ہے کہ اس نے انسانی حقوق کا ایک معیار قائم کر دیا ہے اور عالمی انسانی برادری کو اپنے حقوق کے تحفظ کا ارتقائی شعور و احساس بخشتا ہے۔

معاشرہ میں فرد کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کی مدد سے نو آزاد ممالک اپنے آئین بناتے وقت بنیادی حقوق کے رسمی باب کو سہولت کے ساتھ مرتب کر لیتے ہیں۔ اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے' قانونی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی وزن و مقام نہیں۔ اس

منشور کی قوت و اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف سیاسی قیدیوں کے معاملات سے متعلق بین الاقوامی تنظیم ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' کی شائع شدہ رپورٹ برائے سال 1975ء- 1976ء کے مطابق اقوام متحدہ کے ایک سو چالیس (140) رکن ممالک میں سے 113 ممالک میں بنیادی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کی گئیں اور طاقت کے بے جا استعمال' بلا جواز گرفتاریاں' سیاسی قید و بند' جبر و تشدد اور سزائے موت کے واقعات اور پریس پر پابندی' عدلیہ کے اختیارات میں کمی' آمرانہ قوانین کے نفاذ اور بنیادی حقوق منسوخ و معطل کئے جانے کے اقدامات میں عالمگیر سطح پر تشویشناک اضافہ ہوا ہے۔[149]

اسلام کے انسانی حقوق کا تصور

اسلام نے جو حقوق انسان کو عطا کئے اس کا جائزہ لینے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے مقام کے بارے میں بھی اسلام کا تصور جان لیں۔

مقام انسان کا تعین:

انسان کو اپنے بارے میں ابتداء سے غلط فہمی رہی جو اب تک برقرار ہے' کبھی وہ افراط پر اترتا ہے تو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی ہستی سمجھ لیتا ہے' تکبر و سرکشی کی ہوا اس کے دماغ میں بھر جاتی ہے اور وہ ''من اشد منا قوۃ'' (حم السجدۃ 5:41) ہم سے بڑا طاقتور کون؟ اور ''انا ربکم الاعلیٰ'' (النازعات 24:79) میں تمہارے سب سے بڑا رب (مالک) ہوں' کی صدا بلند کرتا ہے اور ظلم و جور اور شر و فساد کا ایک مجسمہ بن جاتا ہے اور کبھی یہ انسان تفریط کی جانب مائل ہوتا ہے تو اپنے آپ کو دنیا کا سب سے زیادہ ذلیل ہستی سمجھ لیتا ہے۔ درخت' پتھر' دریا' پہاڑ' جانور' آگ' چاند' سورج اور دیگر مظاہر فطرت کے آگے گردن جھکا دیتا ہے۔ اسلام نے ان دو انتہائی تصورات کو باطل کر کے انسان کی اصلی حقیقت اس کے سامنے پیش کی۔ قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر انسان کے مقام کی نشاندہی کی گئی ہے:

فلینظر الانسان مم خلقo خلق من ماءٍ دافقo یخرج من بین الصلب والترائبo (الطارق 86:5-7)

”(جب یہ بات ہے) تو انسان کو (قیامت کی فکر کرنی چاہیے
اور) دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (وہ ایک) اچھلتے
پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور چھاتی (یعنی تمام بدن) کے درمیان
سے نکلتا ہے۔“

مزید ملاحظہ ہو: یٰسین 36:77-88 ...... اور الانفطار 82:6-8

شرف انسانیت:

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں انسان کے تکبر کو توڑا گیا ہے' اس کے زعم باطل پر کاری ضرب لگائی گئی ہے لیکن دوسری طرف شرف انسانیت کو بھی اُجاگر کیا گیا جیسے ارشاد باری ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم. (التین 95:4)

”ہم نے انسان کو بہت بہتر خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔“

ولقد کرمنا بنی آدم. (الاسراء 17:70)

”ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی۔“

مزید ملاحظہ ہو: البقرة 2:34-39' یٰسین 36:80' النحل 16:5' البقرة 2:30' الاحزاب 33:72

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلق اللہ آدم علی صورته.(150)

”اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔“

اسلام نے جو انسانوں کو بنیادی حقوق عطا کیے ان کی تفصیل مقالہ کے سابقہ مضامین میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

جان و مال کا تحفظ:

اسلام نے غیر مسلم شہری کو بھی جان کا تحفظ فراہم کیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک ذمی قتل کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو قانون کے مطابق قتل کا حکم صادر فرمایا:

أنا احق من وفی بذمته.(150a)

احادیث میں ذمی کے قتل کے بارے میں سخت وعیدیں منقول ہیں:

"من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ان ريحها يوجد مسيرة اربعين عاما." (151)

اسی حدیث کے الفاظ کے قریب دوسری روایت بھی موجود ہے۔(152)

قانون کی نظر میں ایک مسلم اور ایک ذمی کی جان میں کوئی فرق نہیں۔ امام شعبی، امام نخعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہی ہے کہ "ایک ذمی کے قصاص میں ایک مسلم کو قتل کیا جائے گا۔"(153)

شخصی آزادی کا حق:

یہ حق بھی اسلام نے انسان کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں پیدا کیا بلکہ خاص دائرے کے اندر اس کو اختیار بھی بخشا ہے۔ اس اختیار کی بناء پر اس کی دنیا میں امر و نہی کا مکلف اور آخرت میں اس کو سزا و جزا کا حق دار بنایا ہے۔ اسلام میں کسی شخص کی انفرادی آزادی اس وقت تک محفوظ رکھی جائے گی جب تک وہ اپنی اس آزادی کو دوسروں کی آزادی سلب کرنے یا جماعت کے مفاد کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے استعمال نہیں کرتا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"والله لا يوثر رجل في الاسلام بغير العدل."(154)

"خدا کی قسم اسلام میں کوئی شخص بغیر عادل گواہوں کے قید نہیں کیا جا سکتا۔"

عمر بن العاصؓ کے بیٹے کا مصری کو کوڑے مارنا اور قید کرنا بعدازاں اس کا فرار ہونا اور حضرت عمرؓ کے پاس جانا' ایک مشہور واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

"متى تعبدتم الناس وقد ولدتم امهاتهم احرارا."(155)

"تم لوگوں کو کیوں غلام بناتے ہو جبکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے۔"

مذہب و مسلک کی آزادی:

اسلام نے انسانیت کو "لا اكراه فى الدين" (البقرة 256:2) کا درس دیا ہے۔ اس کے تحت ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ جس مذہب یا مسلک کو اپنانا چاہے' اپنا لے۔ اس حق کے باب میں سب سے بہتر وضاحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ان کے زمانے

میں خوارج کا گروہ پیدا ہوا جو اعلانیہ ریاست کے وجود کی نفی کرتا اور بزور شمشیر اس کو مٹانے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا:

"کونوا حیث شئتم و بیننا و بینکم ان لا تسفکوا دماً ولا تقطعوا سبیلاً ولا تظلموا احداً فان فعلتم نبذت الیکم الحرب." (156)

"تم جہاں چاہو رہو ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرارداد ہے
کہ تم خون ریزی اور رہزنی اختیار نہ کرو گے اور ظلم سے باز رہو گے اور
اگر ان باتوں میں کوئی بات تم سے سرزد ہوئی تو میں تمہارے خلاف جنگ
کا حکم دے دوں گا۔"

مساوات کا حق:

اسلام نے نہ صرف مساوات کے حق کو تسلیم کیا ہے بلکہ علانیہ کہا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ اگر کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو وہ تقویٰ کے اعتبار سے ہے:

یٰآیھا الناس ان خلقنکم من ذکر و انثٰی و جعلناکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقکم. (الحجرات 13:49)

مساوات ہی کے ضمن میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ھلک کسری فلا یکون کسری بعد." (157)

قانونی مساوات:

ایک دفعہ قریش کے ایک معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی۔ حضرت اسامہؓ نے ان کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لو ان فاطمة بنت محمد فعلت ذلک لقطعت یدھا. (158)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ
بن محمد بھی یہ کام کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ عاملوں (گورنروں) کے فرائض پہ گفتگو کر رہے تھے کہ وہ زیادتی کرنے والے سے قصاص لیں گے تو حضرت

عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ فرض کیجئے کہ ایک شخص کہیں کا گورنر ہے' وہ کسی کو سزا دیتا ہے تو کیا آپ اس سے بھی قصاص دلوائیں گے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لأقصنہ منہ ولقد رأیت رسول اللهﷺ یقص من نفسہ۔"(159)

خلافت راشدہ میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ خلفائے راشدین مدعا علیہ کی حیثیت سے عام عدالتوں میں حاضر ہوئے اور ایک معمولی شہری کے مقابل میں اپنے اوپر لگائے الزام کے سلسلے میں جواب دہی کی۔

معاشی مساوات و عدل:

معاشی دائرہ میں ہر انسان کا ایک حق ہے اور دنیا کی پیداوار میں اس کا حصہ ہے۔ قرآن کہتا ہے:

والا تنس نصیبک من الدنیا۔ (القصص 77:28)

"ہر انسان اپنے حصے کو نہ بھولے۔"

قرآن مجید معاشی زندگی میں اخلاقیات پر زور دیتا ہے کہ یہی معاشرتی امن و سکون کی بنیاد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یآیہا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم' ولا تقتلوا انفسکم ط ان اللہ کان بیکم رحیمًا۔ (النسا 29:4)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو' نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔" (البقرۃ 188:2)

اسی طرح ناپ تول میں خیانت سے منع فرمایا گیا۔ (دیکھئے: بنی اسرائیل 35:17)

اسلام نہ صرف معاشی معاملات پر عدل و انصاف اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے بلکہ ماشی استحصال کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بزور انسداد کرتا ہے اور اس کو معاشرے کے لئے باعث نزاع اور معاشی جبر قرار دیتا ہے۔

اسلام انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلاتا ہے۔ اگر انفاق کی سرگرمی کے باوجود کچھ

لوگ محروم رہ جائیں تو اسلامی ریاست ان کی کفالت کا انتظام کرے گی۔ مسلمانوں کا بیت المال محروم شہریوں کی کفالت کا ذمہ دار ہے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"انا ولی من لا ولی له."(160)

اسی طرح مرنے والے کے قرض کے بارے میں فرمایا:

انا وارث من لا وارث له اعقل له وارثه.(161)

"جس کا کوئی وارث نہیں اس کا میں وارث ہوں اس کی طرف سے دیت دوں گا اور اس کا وارث ہوں گا۔"

ذاتی ملکیت کا حق:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

للرجال نصیبٌ مما اکتسبوا وللنساء نصیبٌ مما اکتسبن. (النساء 32:4)

"مردوں کے لئے ان کے مال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے مال کا حصہ ثابت ہے۔" (مزید ملاحظہ ہو: النساء 2:4)

اسلام نے ذاتی ملکیت کو تسلیم کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے تحفظ کا انتظام بھی کیا مثلاً چوری کی سخت سزا "قطع ید" اس حق کے احترام اور اس پر دست درازی کی ممانعت کی کھلی دلیل ہے۔

ریاست کے معاملات پر شرکت کا حق:

اسلامی ریاست چونکہ شخصی، گروہی، خاندانی اور نسلی ریاست نہیں اور ہر مسلمان کو حق نیابت الٰہی کے طور پر، امور مملکت میں شرکت کا پورا حق ہے۔ قرآن نے اس اصول کو واضح کیا:

وامرھم شوریٰ بینھم. (الشوریٰ 38:42)

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله. (آل عمران 159:3)

نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد شوریٰ کے اس مفہوم میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

1- ریاست کے امیر اور اس کے مشیر نمائندے لوگوں کی آزادانہ رائے سے منتخب ہوں۔
2- لوگوں کو اور ان کے نمائندوں کو تنقید' اختلاف اور اظہار رائے کی آزادی ہو۔
3- رعایا کو یہ حق حاصل ہو کہ جسے وہ چاہیں وہی ریاست کا انتظام کرے اور جسے وہ چاہیں اسے منصب ریاست سے ہٹایا جا سکے۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا کہ دنیا میں انسانی حقوق کا جو اعلان ہوا ہے اس کے پیچھے کوئی سند نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے تصور حقوق انسانی کو سند اور قوت نافذہ دونوں حاصل ہیں۔ حقوق کے ضمن میں ایک بلند معیار پیش کر دیا گیا اور یہ کوئی معاہدہ نہ تھا کہ ان کے حقوق کو ساری قوموں سے منوایا جا سکے لیکن اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے والا ہر فرد اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کا پابند ہے۔ اس لئے وہ لازماً مانے گا اس اعتبار سے یہ حقوق مسلمانوں کو بھی دیئے جائیں گے اور دوسری اقوام کو بھی' دوستوں کو بھی دشمنوں کو بھی۔ یہ بھی دین اسلام کے امن و رحمت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ انسانی حقوق کے ضمن میں بھی اسلام کا دین العمل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسلام واقعی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے اور یہی اسلام کی وہ خصوصیت ہے جو اسے تمام ادیان اور نظام ہائے فکر سے ممتاز کرتی ہے۔ خالق کائنات نے قول صادق فرمایا جو قرآن میں محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا. (المائدۃ 3:5)

کیا اسلامی نظام صرف تیس سال قائم رہا؟[162]

اسلام میں بنیادی حقوق کے ان تحفظات کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک قاری کے ذہن میں بجاطور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اتنے مستحکم اور ہمہ گیر تحفظات کی موجودگی میں یہ المیہ کیونکر رونما ہوا کہ اسلام کا فقید المثال نظام عدل و مساوات خلافت راشدہ کی 30 سالہ مدت کے بعد برقرار نہ رہ سکا۔ اس مختصر سی مدت کے بعد بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں' موروثی بادشاہت نے منتخب خلافت کی جگہ لے لی' بیت المال مسلمانوں کی امانت

نہ رہا' حکمرانوں کی ذاتی ملکیت بن گیا وغیر ذلک!

یہ اعتراض کہ اسلام صرف 30 سال چلا سراسر مغالطہ آرائی ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ مسلمانوں نے اسلام پر 30 سال تک قلب و ذہن کی یکسوئی کے ساتھ عمل کیا' بعدازاں ان کے سیاسی نظام میں خلل واقع ہوا اور بگاڑ کی صورتیں نمودار ہوئیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس بگاڑ سے خود اسلام کی صحت پر کیا اثر پڑا؟ وہ کس بناء پر ناقابل عمل ٹھہرا؟ کیا مسلمانوں کی تاریخ میں بعض بادشاہوں اور آمروں کی موجودگی آج صحیح اسلام پر عمل میں مانع ہوگئی ہے؟ کیا ہم یہ عذر پیش کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ چونکہ ہمارے ہاں حجاج بن یوسف اور حسن بن صباح جیسے لوگ درمیان میں آ گئے ہیں اس لئے اب خلافِ راشدہ کا نظام بروئے کار لانا ممکن نہیں رہا؟

آخر اسلام اور مسلمانوں کے باہمی رشتے سے امراء و سلاطین کی کارگزاریوں کا تعلق کیا ہے؟ مسلمانوں کو ان کے نام تک یاد نہیں' ان کے احکام و فرامین کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ ان کا ذکر تک کیا جائے یا کسی معاملہ میں ان کا حوالہ دیا جائے اس کے برعکس مسلمانوں کا بچہ بچہ خلفائے راشدین' اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہؒ امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ نیز امام بخاری' امام ابن تیمیہ' ابن حزم' امام غزالی' شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور اسی طرح کے دوسرے مسلم زعماء کے ناموں سے بخوبی واقف ہے کیونکہ یہ شخصیات عہد نبوی سے آج تک کی تاریخ اسلام میں مسلمانوں کو ان کا دینی ورثہ منتقل کرنے اور اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی کا تسلسل قائم رکھنے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی بدولت اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا رشتہ کسی ایک لمحہ کے لئے منقطع نہیں ہوا اور نہ اسلام عصری مسائل سے کنارہ کش ہوا۔ ہر دور میں مسلمانوں کو زندگی کے تمام معاملات میں کامل رہنمائی دیتا ہوا آگے بڑھتا رہا ہے۔

اب اس اعتراض کا کہ ''اسلام 30 سال سے زائد نہ چل سکا'' کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیجئے۔ یہ اعتراض صرف سیاسی نظام کی حد تک اور وہ بھی جزوی طور پر درست ہوسکتا ہے لیکن مسلمانوں کی عام انفرادی و اجتماعی زندگی ہمیشہ اسلام کے تابع رہی ہے۔ ان کی اخلاقی' معاشرتی' معاشی' تعلیمی' خانگی' ثقافتی اور عدالتی زندگی میں..... اسلام ہی کا

قانون جاری و ساری رہا ہے۔ ان کی سیاسی زندگی بھی اسلام سے یکسر بے تعلق نہیں رہی' اسلام کا مذہب اور سیاست کبھی اس طرح جدا نہیں ہوئے جس طرح یورپ میں چرچ اور سیاست جدا ہوئے اور یورپ میں چرچ کی بالادستی ختم ہوئی تو ریاست نے مذہب کو اجتماعی زندگی سے کلیتہً خارج کر کے اسے انفرادی زندگی تک محدود کر دیا۔ اس کے برعکس نوآبادیاتی دور سے قبل تک مسلمانوں کی پوری تاریخ میں ہمیں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملتی جہاں کسی بادشاہ یا حکمران نے قانون شریعت کو مکمل طور پر معطل کر کے خود اپنا وضع کردہ قانون نافذ کر دیا ہو۔

مسلمان بادشاہوں نے قانون شریعت کی خلاف ورزی ضرور کی ہے لیکن اس قانون کو مسجد و مدرسہ کے حوالہ کر کے وہ اس سے بے تعلق کبھی نہیں ہوئے۔ ان کی ریاستوں کا قانون شریعت ہی کا قانون تھا اور زندگی کے تمام معاملات میں عدالتی فیصلے اسی کے مطابق ہوتے تھے۔ ان بادشاہوں میں بھی سب کے سب ظالم و جابر اور عیش و عشرت کے دلدادہ نہیں تھے۔ ان میں بڑے بڑے عابد و زاہد اور متقی اور پرہیزگار حکمران بھی گزرے ہیں۔ ان میں ناصر الدین محمودؒ اور اورنگزیب عالمگیرؒ جیسے بادشاہ شامل ہیں جو شاہی خزانہ کو اپنی ذات کے لئے حرام سمجھتے تھے۔ وہ غیر مسلم ہم عصر حکمرانوں سے بلاشبہ بہتر تھے ہم چونکہ انہیں خلافت راشدہ کے معیار پر جانچتے ہیں اس لئے وہ ہماری نگاہوں میں اچھے نہیں لیکن ان کا موازنہ ہم عصر حکمرانوں سے اور ان کے نظام سلطنت کا موازنہ دنیا کے دیگر ہم عصر نظاموں سے کیا جائے تو ان کی پوزیشن بالکل بدل جاتی ہے۔

البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ 30 سال بعد اُمت مسلمہ اپنے عمل کی دنیا میں خلافت راشدہؓ کی سطح برقرار نہ رکھ سکی لیکن ہم معترضین کے سامنے اپنا یہ سوال دہرانا چاہیں گے کہ آج اسلام کو اس کی حقیقی صورت میں نافذ کرنے کا عزم کر لیا جائے تو اس میں کیا چیز مانع ہوگی؟ خود اسلام یا ہوس اقتدار اور نشہ حکمرانی میں بدمست لوگوں کی نیت کی کھوٹ؟

مستشرقین اور ان کے مسلمان متاثرین کی جانب سے اسلام کی ''ناکامی'' کے ضمن میں ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرن اوّل کے اسلامی معاشرے میں سیاسی' معاشی' عدالتی اور معاشرتی ادارے (Institutions) وجود میں نہ آ سکے۔ اس نظام حکومت میں

مملکت کی باگ ڈور فرد واحد کے ہاتھ میں تھی جو صحن مسجد میں بیٹھ کر جملہ امور مملکت انجام دیتا۔ مال غنیمت تقسیم کرتا' گورنروں' فوجی کمانڈروں کو احکام و ہدایات جاری کرتا' ان کی رپورٹس وصول کرتا' ان کے استفسارات کا جواب لکھواتا' انہیں ضروری وسائل مہیا کرتا' ان کے خلاف شکایات کی سماعت کرتا' عام لوگوں کی تکالیف کا ازالہ کرتا' ان کے تنازعات کا تصفیہ کرتا اور فقہی مسائل میں ان کی رہنمائی کرتا۔ عام لوگوں کو چونکہ خلیفہ تک دسترس حاصل تھی اس لئے وہ بھی بالعموم اپنے چھوٹے بڑے مسائل لے کر اسی کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اسی طرح خلیفہ کی ذات کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور تقسیم اختیارات کے بجائے ارتکاز اختیارات کے اس عمل نے خودمختار اور نیم خودمختار اداروں کے وجود کی راہیں مسدود کر دیں۔ خلفائے راشدینؓ چونکہ انتہائی نیک طینت' پاکباز' بے لوث' خدا کا خوف رکھنے والے سربراہ حکومت تھے اس لئے ان کے دور میں سارا کام ٹھیک ٹھاک چلتا رہا لیکن ان کے بعد جب حکمرانوں میں وہ بے غرضی اور کردار کی بلندی و پاکیزگی باقی نہ رہی' الا ماشاء اللہ' تو یہ نظام جو مستحکم اداروں پر استوار نہیں ہو سکا تیزی سے روبہ زوال ہوا اور اس میں بہت سی خرابیاں در آئیں۔

یہ اعتراض ناواقفیت سے زیادہ عصبیت پر مبنی ہے اور اس کا اصل محرک مغرب کی یہ خواہش ہے کہ انسانی حقوق کے تصور' ان کے حصول کی تحریک اور فلسفہ جمہوریت کی طرح سیاسی' معاشی اور معاشرتی اداروں کے قیام و فروغ کا سہرا بھی اس کے سر باندھا جا سکے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خلافِ راشدہ اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی ریاست کی بنیادی مستحکم اداروں پر استوار کی جا چکی تھیں اور بنواُمیہ اور بنوعباس کے دورِ حکومت میں ان اداروں کو مزید فروغ حاصل ہوا تھا۔

عصر حاضر کے اس موضوع پر تحقیقی کام کا مختصر جائزہ

1- ریاستی دہشت گردی

مؤلف — نوم چومسکی (امریکی)

امریکہ کے مشہور محقق پروفیسر کی کتاب "The Culture of Terrorism" کا ترجمہ عامر اعجاز بٹ نے کیا ہے۔

پبلشر — جمہور پبلی کیشنز' لاہور کینٹ' پی- او بکس 6283

اس کے اندر امریکی دہشت گردانہ پالیسی پر سخت تنقید کی ہے۔ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ امریکہ کی پالیسی غیر انسانی اور غیر اخلاقی ہے' بہت ہی مفید کتاب ہے۔ نوم چومسکی ترقی پسند اور غیر متعصب' بے لاگ انداز کا مبصر ہے۔

2- دہشت گرد کون؟

مؤلف — حیدر جاوید حیدر

پبلشر — برائٹ بکس' اُردو بازار' لاہور

گیارہ ستمبر کے سانحہ اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات پر خوب تجزیہ کیا ہے' کتاب مفید ہے۔

3- بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش

مؤلف — مرزا محمد الیاس

پبلشر — حرا پبلی کیشنز' اُردو بازار' لاہور

اس کتاب کے اندر صحیح اور مثبت فکر کو اُجاگر کیا ہے اور اسلام پر لگائے گئے الزامات کے جواب دیئے ہیں۔

مؤلف کے مندرجہ ذیل دو مضامین قابل مطالعہ ہیں:

i- امریکی انتظامیہ' عالمی صیہونیت اور مسیحی بنیاد پرستی کی گرفت...... روزنامہ نوائے وقت مورخہ 15 جون 1993ء

ii- تہذیبی فکری تصادم' آئندہ کا پیش خیمہ..... ایشیا' لاہور اگست 1993ء

4- الجہاد الاسلامی

مؤلف — مفتی عبدالرحمٰن الرحمانی

ناشر — دارالاندلس' 4 لیک روڈ' چوبرجی لاہور' صفحات 888

اس کتاب کے اندر جہاد سے متعلق مفصل مباحث ہیں' علمی انداز سے جدید دور کے مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

5- جہاد اور دہشت گردی

مؤلف — حافظ مبشر حسین لاہوری

ناشر — مبشر اکیڈمی' لاہور

اس کتاب کے اندر جہاد اور دہشت گردی میں فرق کو علمی انداز میں ظاہر کیا ہے۔ جہاد اور دور حاضر کے تقاضے پر بھی بحث کی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا سوالنامہ اور مولانا زاہد الراشدی کا عالمانہ جوابات پر مشتمل مقابلہ بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ ایک مقالہ جس کا عنوان ہے "دہشت گردی اور عالم اسلام" اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے' بہت ہی مفید ہے۔

6- حقوق انسانی کی آڑ میں

مرتب — محمد متین خالد

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان' کی اشاعت کردہ اس کتاب کے اندر تقریباً ستر (70) کے لگ بھگ مقالات ہیں اور ان میں سے بیس مقالات حقوق سے متعلق ہیں اور دور جدید کے مسائل مندرج ہیں۔ بہت ہی مفید کتاب ہے۔

7- حقوق الانسان فی الاسلام (بالعربیۃ)

للدکتور محمد الزحیلی' جامعہ دمشق

ناشر — دار ابن کثیر دمشق بیروت 1997ء' صفحات 453

حقوق انسانی کے متعلق تمام پہلوؤں پر عالمانہ اور معاصرانہ انداز میں بحث کی ہے

اور اسلام نے جو انسانوں کو حقوق عطا کئے اس کی وضاحت کی ہے۔ بہت ہی مفید کتاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ مجلس التحقیق الاسلامی 99 جے بلاک ماڈل ٹاؤن میں ہے۔

8- Human Rights in Islam

By— Sulean Abdul Rahman Ph.D

Publisher— Imam Mohammad Bin Saud University, 1999

اس کتاب کو انگریزی میں مرتب کیا گیا ہے' انسانی حقوق کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فہرست مضامین مجلّات

1- ماہنامہ مجلّہ "محدث" عنوان "اسلامی جنگیں...... دہشت گردی یا امن عالم" مقالہ نگار: پروفیسر محمد اقبال کیلانی' جلد نمبر 33' شمارہ نمبر 3' مارچ 2001ء

2- ماہنامہ "محدث" جلد نمبر 34' شمارہ 11' نومبر 2002ء عنوان مقالہ "دہشت گردی اور عالم اسلام" ڈاکٹر کوکب اوکاڑوی۔ اس میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلام دہشت گرد نہیں بلکہ امن وسلامتی کا دین ہے۔

3- ماہنامہ "محدث" جلد نمبر 36' شمارہ نمبر 7' جولائی 2004ء عنوان مقالہ "اسلام اور دہشت گردی" مقالہ نگار: ڈاکٹر خالد علوی۔ اس میں بہت ہی مفید اور عالمانہ بحث کے ذریعے اسلام کو دین امن ثابت کیا ہے اور جہاد اسلامی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

4- ماہنامہ "محدث" جلد نمبر 34' شمارہ 6' جون 2002ء عنوان مقالہ "جہاد کا مفہوم اور دور حاضر میں اس کے تقاضے" مقالہ نگار: مولانا زاہد الراشدی۔ اس مقالہ کے اندر مقالہ نگار نے خودکش حملے اور جدید جہادی مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے' بہت ہی مفید مقالہ ہے۔

5- ماہنامہ ترجمان القرآن' جلد نمبر 132' عدد 5' مئی 2005ء عنوان مقالہ "عالمی امن و انصاف اسلامی تناظر میں" مقالہ نگار: عنایت علی خان۔ اس مقالہ میں فاضلانہ اور عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

6- ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' جلد نمبر 132' عدد 10' اکتوبر 2005ء عنوان مقالہ ''خودکش دہشت گردی کی وجہ'' مقالہ نگار: مسلم سجاد

7- شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور میں پیش کئے گئے مقالات جو اس موضوع سے متعلق ہیں:

	عنوان مقالہ	مقالہ نمبر
i-	امن عالم اور اسلام	1992/32ء
ii-	اسلام امن و سلامتی کا دین ہے	1972/3ء
iii-	اسلام کا نظریہ امن و سلامتی اور عصری عالمی صورتحال 2004ء/نمبر	1992/32
iv-	دہشت گردی کا تصور' اسلام اور اقوام عالم	2002/28ء
v-	ہمارا تہذیبی تصادم اور اُمت مسلمہ	2003/28ء
vi-	بنیادی انسانی حقوق اور مذاہب عالم	1996/21ء

حوالہ جات

1- ابن منظور، لسان العرب، 21/13
2- المنجد، ص 188
3- المعجم الوسیط، 27/1
4- فیروز اللغات، ص 122
5- مفردات القرآن، ص 67
6- المورد، ص 666
7- Encyclopedia of Britinnica Vol, 17, P. 412
8- Oxford Dictionary, P. 811
9- Encyclopedia of Religion
10- امن عالم اور اسلام (مقالہ ایم اے اسلامیات) لائبریری، 1992/32ء
11- The Encyclopedia of Religion, V II, P. 22
12- The Encyclopedia of Religion, V II, P. 221
13- The Encyclopedia of Religion, V II, P. 222
14- The Encyclopedia of Religion, V II, P. 223
15- The Encyclopedia of Religion, V II, P. 223
16- The Encyclopedia of Religion, V II, P. 223
17- احمد عبداللہ السدومی، مذاہب عالم، ص 208، 209
18- The Encyclopedia of Religion, V II, P. 221, 222
19- صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، ص 3، دار السلام الریاض، 1999ء
20- فرید وجدی، دائرۃ المعارف، مادہ حمد
21- معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ص 32، ابوالحسن ندوی، السیرۃ النبویہ، ص 17 تا 20
22- درابر (Droper) الصراع بین الدین والعلم، ص 40-41
23- تاریخ الطبری، 178/2، شاھین مکاریوس: تاریخ ایران، ص 90، طبع 1998م

24- منوشاستر (ہندی قانونی کتاب) ابواب 1-2' ص 8 تا 11
25- ندوی: السیرۃ النبویہ' ص 32' پروفیسر تیلی (Thilly): تاریخ الفلسفہ
26- تھذیب سیرۃ ابن ھشام' ص 75
ندوی: السیرۃ النبویۃ' ص 115
27- بحوالہ سیرت نبوی کے منھاج' ص 40
28- بحوالہ سیرت نبوی کے منھاج' ص 41
29- صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' باب اخاء النبی بین المھاجرین والانصار' ص 635
تھذیب سیرۃ ابن ھشام' ص 126-127– الغزالی: فقه السیرۃ' ص 140-141
30- صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' باب اخاء النبی...... ص 235
31- بناء الکعبة عبداللہ ھارون' تھذیب سیرۃ ابن ھشام' ص 46-47– الغزالی: فقه السیرۃ' ص 62-63– صحیح بخاری' باب فضل مکة و بنیانھا' 215/1
32- عبداللہ النجدی' مختصر سیرۃ الرسول' ص 30-31– ابن سعد: الطبقات 382/1
33- تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی' ص 81
33a- عبدالرحمٰن کیلانی' تیسیر القرآن' 132/3-133
34- صحیح مسلم' کتاب الجھاد' باب تامیر الامام الامراء' 1357/3' دارالفکر' بیروت' 1980ء
35- صحیح مسلم' کتاب الجھاد' باب تامیر الامام الامراء' 1357/3
36- ابوداؤد السنن' کتاب الجھاد' باب 82' دعاء المشرکین' ص 1416
37- ابوداؤد' السنن' کتاب الجھاد باب 116' باب فی الامیر' ص 1422
38- ابوداؤد' السنن' کتاب الجھاد باب 112' باب کراھیة حرق العدو بالنار' ص 1421
39- صحیح بخاری' کتاب الجھاد' باب 156' باب لا تمنوا لقاء العدو' ص 499
40- مفردات القرآن (اردو ترجمہ)' ص 43-439
41- مختصر تفسیر ابن کثیر (علی صابونی) 367/3

42- صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین'
حدیث نمبر 154 ,1477/3
43- مختصر تفسیر ابن کثیر' 231/1-232
44- صحیح بخاری' کتاب بدء الوحی' ص 3 (دعوت اسلام ہرقل کے نام)
45- حافظ صلاح الدین' تفسیر احسن البیان' ص 73' حاشیہ نمبر 4
46- تہذیب سیرۃ ابن ہشام' ص 458
47- تہذیب سیرۃ ابن ہشام' ص 72
48- صفی الرحمٰن' الرحیق المختوم' ص 110
49- صحیح بخاری' کتاب بدء الخلق' باب 7' اذا قال احدکم آمین' ص 538
50- تہذیب سیرۃ ابن ہشام' ص 117
51- تہذیب سیرۃ ابن ہشام' ص 226 تا 228- الرحیق المختوم' ص 342-343
52- تہذیب سیرۃ ابن ہشام' ص 258- الرحیق المختوم' ص 405
53- الرحیق المختوم' ص 212- تہذیب سیرۃ ابن ہشام' ص 253-254
54- ندوی: السیرۃ النبویۃ' ص 284
55- تہذیب سیرۃ ابن ہشام' ص 257-258
56- ڈاکٹر محمد حمید اللہ' سیاسی وثیقہ جات' ص 98-99- ابو یوسف' کتاب الخراج' مترجم نجات
اللہ' ص 272-273
57- طاہر القادری' سیرت رسول ﷺ' 307/7-308
58- محولہ بالا
59- صحیح بخاری' کتاب الایمان' باب 5' ای الاسلام افضل' ص 5
60- الترمذی' کتاب الایمان' باب 12' ص 1916
61- صحیح بخاری' الاعتصام بالکتاب والسنۃ' باب 15' من لاثم من دعا الی
ضلالۃ' ص 1360
62- صحیح بخاری' کتاب العلم' باب الانصات للعلماء' ص 26
63- صحیح بخاری' کتاب المظالم' باب اعن اخاک ظالما اور مظلوماً' ص 294
صحیح مسلم' کتاب الفتن' حدیث نمبر 14' باب اذا توجہ المسلمان'

2213/4

-64 مختصر تفسیر ابن کثیر' 509/1
-65 ابن ماجه' ابواب الدیات' باب التغلیظ فی قتل المسلم ظلما' ص 2634
-66 ابن ماجه' ابواب الدیات' باب التغلیظ فی قتل المسلم ظلماً' ص 2634
-67 ابو داؤد' کتاب الادب' باب 85' من یاخذ الشیء من مزاح' ص 1589
-68 صحیح مسلم' کتاب البر' حدیث نمبر 125' باب النهی عن الاشارة بالسلاح الی مسلم' 2020/4
-69 صحیح بخاری' کتاب الفتن' باب 10' اذا التقی المسلمان' ص 1220
-70 فتح الباری' 189/12
-71 صحیح مسلم' کتاب القسامة' حدیث 38' باب دیة الجنین 1311/3 ماخوذ ''اسلام امن و سلامتی کا دین ہے'' مولانا ارشاد الحق' ہفت روزہ الحدیث' 10 اپریل تا 16 اپریل 2004ء
-72 صحیح بخاری' کتاب الجهاد' باب 56' تمنو القاء العدو' ص 499
-73 طاہر القادری' سیرة الرسول ﷺ' 311/7-312
-74 صحیح بخاری' کتاب النکاح' باب قول النبی من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج' ص 906-907
-75 صحیح بخاری' کتاب الشهادات' باب ما قیل فی شهادة الزور' ص 430
صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الکبائر و اکبرها
-76 مولانا مودودی' الجہاد فی الاسلام
-77 سید اسعد گیلانی' رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب' ص 658-659' کریسنٹ پبلشنگ دہلی' 1993ء
-78 ایضاً.......... ص 57
-79 Webster University Dictionary, P. 458
-80 مفردات القرآن' ص 674
-81 مفردات القرآن' ص 698
-82 مصباح اللغة' ص 508

-83 صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب 48، واذکر فی الکتاب مریم، ص 580

-84 صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ص 906

-85 صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب 1، قولہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ، ص 1020

-86 مختصر ابن کثیر، 15/2

-87 تفسیر احسن البیان، ص 382

-88 انعام الحسن سحری، دہشت گردی (ایک مکمل مطالعہ) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1990ء ص 40

-89 ایضاً.......... ص 41

-90 Encyclopedia of Britinnica, V II, P. 650

-91 ماہنامہ محدث، جنوری 2001ء

-92 خورشید احمد، امریکہ کا بلاجواز حملہ، ماہنامہ ترجمان القرآن، نومبر 2001ء، ص 3

-93 دہشت گردی ایک مکمل مطالعہ، ص 43

-94 Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World, New York, Vol 4, P. 250

-95 Harly: Clash of Civilization Hintington

-96 دہشت گردی کی تعریف، ماہنامہ اشراق، مارچ 2002ء

-97 دہشت گردی (ایک مکمل مطالعہ)، ص 44

-98 The World Book Encyclopedia, Vol 19, P. 178

-99 ارشاد احمد حقانی، کیا نوم چومسکی انسان سے مایوس ہو رہے ہیں؟ روزنامہ جنگ لاہور، 28 نومبر 2001

-100 Grolier's Encyclopedia, 1992

-101 Oxford Dictionary of Politics, 1992, P. 492

-102 ارشاد احمد حقانی، کیا نوم چومسکی انسان سے مایوس ہو رہے ہیں؟ روزنامہ جنگ لاہور، نومبر 2001ء

-103 وحید خان، دہشت گردی کیا ہے؟ ماہنامہ تذکیر لاہور جون 2002ء

-104 John More: The Evolution of Islamic Terrorism
P I, www. state. gov.

-105 صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا توخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ
ص 236

-105a الترمذی، کتاب الزکاۃ، باب 27، فی المال حقا سوی الزکاۃ، ص 1711

-106 خورشید احمد، گیارہ ستمبر کی ستم کاریاں، ترجمان القرآن، لاہور ستمبر 2002ء ص 27

-107 قاضی کاشف نیاز، مسلمانوں کے موجودہ المناک حالات کا بنیادی سبب، مجلّہ مرکز الدعوۃ
مارچ 2002ء

-108 محولہ بالا

-109 اسلام اور دہشت گردی، ص 170

-110 محمد ارشد، دہشت گردی کی اصطلاح اور اس کے استعمال کا مسئلہ، سہ روزہ دعوت ٹرسٹ
دہلی، 28 نومبر 2001ء

-111 نظام الدین شامزئی، دہشت گردی کے عوامل، ماہنامہ بینات، کراچی مارچ 2001ء ص
28

-112 خورشید احمد، ترجمان القرآن، مئی 1997ء، ج 124 عدد، ص 57، لاہور منصورہ ملتان روڈ،
لاہور

-113 The study times, dated 28 jan, 1996
Article by john swon, Title "Bosnia Killing Feilds."

-114 ماخوذ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، حضور اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی، مقالہ حافظ محمد طفیل
''اُمت مسلمہ اور عالمی امن و فساد''، ص 351 تا 372

-115 سلطان شاہد، دہشت گردی، ص 91-101، وقاص پبلی کیشنز

-116 سلطان شاہد، دہشت گردی، ص 91-101، وقاص پبلی کیشنز

-117 USDS: Patteronso of Global Terrorism, pv, April 1992

-118 قاموس المحیط، 296/1، لسان العرب، مادہ ج– ہ– د، سید سابق، فقہ السنۃ
618/2.

-119 صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، ص

466

120- الکاسانی' بدائع الصنائع' 97/7' الدر المختار 238/3

121- مسند الشافعی' 185/5' حاشیۃ الشرقاوی علی تحفۃ المطالب' 139/3
الموسوعۃ الفقیھۃ (الکویتیۃ) بذیل مادہ "جھاد" 124/14

122- ابن تیمیہ' الفتاوی الکبریٰ' 38/5– فتح الباری' 3/6 ,38–
زاد المعاد' 5/3 تا 11

123- ابو داؤد' کتاب السنۃ' باب فی قتال اللصوص' ص 1574

124- مختصر تفسیر ابن کثیر' 170/1– الشوکانی' فتح القدیر' 191/1

125- مختصر تفسیر ابن کثیر' 170/1– تیسیر القرآن' 127/1

126- تیسیر القرآن' 510/1

127- سنن ابی داوٗد' کتاب الجھاد' باب فی دعاء المشرکین' ص 1416

128- صحیح بخاری' کتاب الجھاد' باب قتل الصبیان فی الحرب' ص 498' باب نمبر 147

129- ابن کثیر' البدایۃ و النھایۃ' 183/4

130- صحیح بخاری' کتاب الجھاد' باب لا یعذب بعذاب اللہ' ص 498

131- مسند احمد' 422/5

132- ابوداؤد' کتاب الخراج والفی ء والامارۃ' باب فی تعشیر اھل الذمۃ' ص 1453

133- ابو داؤد' کتاب الجھاد باب فی النھی عن النھبیٰ' ص 1424

134- صحیح بخاری کتاب المظالم' باب النھبیٰ بغیر اذن صاحبہ' ص 400

135- صحیح مسلم' کتاب الجھاد' باب تأمیر الامام الامراء' 1357/3

136- ندوی' السیرۃ النبویۃ' ص 282-283' بحوالہ سیرت ابن ھشام

137- ابوداؤد' کتاب الجھاد' باب فی الرسل' ص 1429

138- صحیح بخاری' کتاب الجذیۃ باب اثم من قتل معاھداً' ص 527

139- صحیح مسلم کتاب الجھاد' حدیث نمبر 1361/3, 16

140- ابو داؤد' کتاب الجھاد' باب ما یؤمر من انضمام العسکر' ص 1417

141- صحیح بخاری' کتاب الجھاد' باب ما یکرہ من رفع الصوت' ص 494

142- صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب تامیر الامام الامراء، 3/ 1357
143- امام مالک، المؤطا، کتاب الجهاد باب نهی عن قتل النساء والولدان فی الغزوص 278، دارالفکر بیروت، طبع اول، 1989ء
144- اسلامی ریاست، ص 550
145- Henry Marsh: Docoments of liberty, England, 1971, P. 51
146- The Social Contract/ 4
147- Protection of Human Rights Under the Law/3
148- The Social Contract and the Islamic State/1
149- محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ص 90 تا 96
Gaius Ezejiofor; Protection of Human rights Under Law (1964) P. 80
Hans Kelson; The Law of United Nations, London (1950), P. 28
150- صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب بدء السلام، ص 1084
150a- صحیح بخاری، کتاب الدیات، 49، باب اثم من قتل ذمیا، ص 1191
151- ابن ماجه، کتاب الدیات، من قتل معاهداً، ص 2638
152- ابن ماجه، کتاب الدیات، من قتل معاهداً، ص 2638– الشوکانی، نیل الاوطار، 7/14-15
153- نیل الاوطار 7/12، طبع المصطفی الحلبی، البابی، مصر
154- مؤطا، کتاب الاقضیة، باب شرط الشاهد، 720/2
155- کنز العمال، 6/355
156- نیل الاوطار، کتاب الحدود، باب قتال الخوارج و اهل البغی بحوالہ خالد علوی "اسلام کا معاشرتی نظام" ص 297، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور 2005ء
157- صحیح مسلم، کتاب الفتن، حدیث نمبر 76, 2237/4
158- صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اقامة الحدود علی الشریف والوضیع،

ص 1170

159- ابو یوسف' کتاب الخراج' ص 26

160- مسند احمدؒ 133/4

161- ابو داؤد' کتاب الفرائض' باب میراث ذوی الارحام' ص 1440
"انسانی حقوق کا تحفظ' امن عالم کا ضامن" کی تیاری کے لئے ڈاکٹر خالد علوی کی کتاب "اسلام کا معاشرتی نظام" سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

162- اعتراضات اور اس کے جواب کے لئے محمد صلاح الدینؒ کی کتاب "بنیادی حقوق" سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ ویسے بھی اس موضوع پر یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔
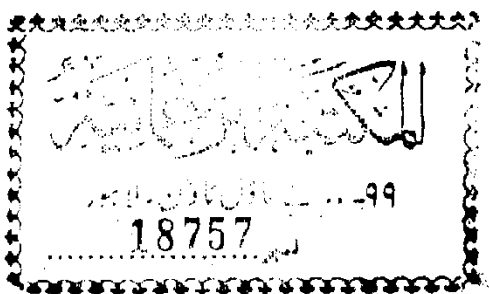
المصادر

مؤلف	کتاب	پبلشرز	تاریخ
ابن سعد' محمد بن سعد	الطبقات الکبری	طبع لیدن' بیروت	1958ء
ابن ماجہ' محمد بن یزید	السنن' موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستۃ	دارالسلام الریاض ط 3	1977ء
ابوالحسن ندوی	السیرۃ النبویہ	دارالشروق' سعودی عرب ط 1	1977ء
ابوداؤد' سلیمان بن الاشعث	السنن' موسوعۃ الحدیث الشریف	دارالسلام الریاض' ط 3	2000ء
اسعد گیلانی	رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب	کریسنٹ پبلشنگ کمپنی' دہلی	1993ء
الاصفہانی' راغب الاصفہانی	مفردات القرآن (ترجمہ مولانا محمد عبدہ)	مکتبہ قاسمیہ' لاہور	1963ء
انعام الحق سحری	دہشت گردی (ایک مکمل مطالعہ)	سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور	1990ء
البخاری' محمد بن اسماعیل	الجامع الصحیح	دارالسلام الریاض' ط 2	1999ء
الترمذی	السنن' موسوعۃ الحدیث الشریف	دارالسلام الریاض' ط 3	2000ء
السدوسی' احمد عبداللہ	مذاہب عالم	مکتبہ خدام ملت' کراچی	1964ء
سلطان شاہد	دہشت گردی	وقاص پبلی کیشنز' لاہور	1995ء
سمیع اللہ قریشی	سیرت نبوی ﷺ کے منہاج	سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور	
شبیر احمد عثمانی	تفسیر عثمانی	مجمع فہد' سعودی عرب	
الشوکانی' محمد بن علی	فتح القدیر	دارالفکر بیروت ط 2	1964ء
صفی الرحمن	الرحیق المختوم	مکتبہ دارالسلام' ریاض	1994ء